انتخاب غزلیات

ناسخ

مرتبہ

کاظم علی خاں

اُتر پردیش اُردو اکادمی

لکھنؤ

سلسلۂ مطبوعات: ۱۲۵

انتخاب

غزلیاتِ ناسخ

مُرتّبۂ

کاظم علی خاں

اتر پردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ

© اتر پردیش اردو اکادمی

انتخاب غزلیات ناسخ

مرتبۂ کاظم علی خاں

Intikhab-e-Ghazalyat-e-Nasikh

Edited By

Kazim Ali Khan

Price Rs 45/=

پہلا ایڈیشن	:	۱۹۸۴ء
دوسرا ایڈیشن	:	۲۰۰۵ء
تعداد	:	ایک ہزار
قیمت	:	۴۵/- روپے

محمد نجم الحسن، سکریٹری اتر پردیش اردو اکادمی نے میسرس امبر ٹریڈرس نبی اللہ روڈ، لکھنؤ سے چھپوا کر دفتر اردو اکادمی واقع وبھوتی کھنڈ، گومتی نگر، لکھنؤ ۲۲۶۰۱۰ سے شائع کیا۔

پیش لفظ

شیخ امام بخش ناسخ اپنے تخلیقی رویّے کی بنا پر شعرائے لکھنؤ میں ایک انفرادی شان کی حامل ہیں۔ ان کے کلام میں جذبہ و احساس کی حدّت کے بجائے ذہنی موشگافیاں اور علم و دانش کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ صنائع و بدائع کے التزامات، علم بدیع اور علم عروض کے ساتھ ساتھ تمثیل بندی کے رجحان نے اُن کی مضمون آفرینی میں صناعی کو زیادہ دخیل کر کے صنعتوں کا ایک نگار خانہ ضرور سجا دیا مگر شاعری میں آمد کم ہوتی گئی اور آورد حدِ اعتدال سے تجاوز کر گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طرزِ ادا کو جدّت سے ہم کنار کرنے میں نہ صرف کامیاب ہوئے بلکہ ان کی نئی آواز نے تاریخِ ادب میں اُن کو ایک منفرد شاعر بھی بنا دیا۔

ان کی غزلوں کا زیرِ نظر انتخاب جناب کاظم علی خاں نے نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ اور اُس پر تحقیقی بصیرت اور عالمانہ شان کے ساتھ مقدمہ تحریر کیا ہے۔ ہمارے ادب میں محققین کی تعداد یوں بھی کم رہی ہے جن گنے چُنے لوگوں پر

ہماری نگاہ ٹھہرتی ہے اُن میں کاظم علی خاں صاحب کا ایک ممتاز نام ہے۔

اتر پردیش اردو اکادمی نے متقدمین اور متاخرین میں بیشتر شعراء کے انتخابات شائع کئے ہیں جنھیں ادبی اور تدریسی حلقوں نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ امید ہے کہ اس انتخاب کا دوسرا ایڈیشن بھی علمی اور ادبی حلقوں میں پایۂ اعتبار کو پہونچے گا۔

وبھوتی کھنڈ، گومتی نگر
لکھنؤ

ملک زادہ منظور احمد
صدر
اتر پردیش اردو اکادمی

مُقدمہ

ناسخ کے مختصر حالات زندگی

ناسخ ہمارے اُن ممتاز و تاریخ ساز شاعروں میں تھے جن کی عہد آفریں ادبی خدمات لکھنؤ کے ادبی مرکز کی تعمیر و تشکیل میں تاریخی حیثیت سے ناقابلِ فراموش ہیں۔ ناسخ کے اسلاف اور ابتدائی حالات کے بارے میں جو ناکافی معلومات دستیاب ہیں اُن کی روشنی میں اندازہ ہوتا ہے کہ ناسخ کے والد شیخ خدا بخش لاہور کے ایک ایسے تجارت پیشہ شیخ خانوادے سے تھے جو بعد کو کچھ عرصے فیض آباد (اودھ) میں مقیم رہ کر بالآخر لکھنؤ میں آباد ہو گیا تھا۔[1] متعدد مصادر میں ناسخ کے والد کا نام خدا بخش ہی ملتا ہے۔[2] ابن طوفان

---

[1] ریاض الفصحا: مصحفی ص ۳۳۴۔ [2] دیکھئے: (۱) ریاض الفصحا: مصحفی ص ۳۳۴ (۲) خوش معرکۂ زیبا: ناصر لکھنوی طبع ۱۹۷۱ء ص ۴۸۵ (۳) سراپا سخن: محسن۔ (۴) بزم سخن: سلیم ص ۱۱۰ (۵) تذکرۂ نادر: ص ۱۵۶ (۶) آب حیات: آزاد الہ آباد۔ طبع ۱۹۶۲ء ص ۳۴۳۔

نے ناسخ کے نام میں عبداللہ کا جز بھی شامل کیا ہے[1]۔ بعض مآخذ میں ناسخ کو شیخ خدا بخش لاہوری کا متبنّٰی یا غلام بھی لکھا گیا ہے[2]۔ لیکن آب حیات ص ۳۴۴ نیز ناسخ کی دو رباعیوں سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے ایک عدالتی فیصلے کی بنیاد پر اپنے والد کی تمام میراث پائی تھی۔ ناسخ کی یہ رباعیاں آب حیات و سخن شعرا کے علاوہ کلیاتِ ناسخ میں بھی موجود ہیں[3]۔

مصحفی و ابنِ طوفان کا بیان ہے کہ ناسخ فیض آباد میں پیدا ہوئے تھے۔

انتخابِ ناسخ (مرتبہ رشید حسن خاں ص ۱۱۶) میں قاضی عبدالودود کے حوالے سے ناسخ کی تاریخِ ولادت ۵ محرم ۱۱۸۵ھ درج ہوئی ہے۔ اس اندراج میں تاریخ اور سنہ دونوں ہی ناقابلِ قبول ہیں۔ تاریخِ ولادت ۵ محرم کے بجائے ۷ محرم خود ناسخ کے اُس مطلعے سے دستیاب ہوتی ہے جس کو رشید حسن خاں نے انتخاب ناسخ ص ۱۴۱ کی متعلقہ غزل میں شامل نہیں کیا ہے۔ ناسخ

---

[1] تذکرۂ شعرا۔ ابن امین اللہ طوفان مرتبہ قاضی عبدالودود طبع ۱۹۵۴ء ص ۵۔ [2] دیکھئے: (۱) سخن شعرا: ناسخ طبع ۱۸۷۴ء ص ۴۹۱ (۲) آب حیات ص ۳۴۳ تا ۳۴۴، (۳) آب بقا: عشرت لکھنوی ص ۱۱۲ (۴) انتخاب ناسخ: مرتبہ رشید حسن خاں دہلی طبع اپریل ۱۹۷۲ء ص ۱۱۵۔

[3] کلیاتِ ناسخ طبع ۱۲۷۹ھ دیوان دوم ص ۲۰۰۔

کا یہ مطلع درج ذیل ہے ؎

رہے کیوں کر نہ دل ہر دم نشانہ ناوک غم کا
کہ ہے میرا تولّد ہفتم ماہ محرّم کا[1]

اس مطلع سے انکشاف ہوتا ہے کہ ناسخ کی تاریخ ولادت ۵ محرّم کے بجائے ۷ محرّم تھی۔ اب رہا ناسخ کا سنہ ولادت تو وہ رشک کی تاریخوں سے ۱۱۸۵ھ کے بجائے ۱۱۸۶ھ متعین ہوتا ہے۔ وفاتِ ناسخ کے سلسلے میں رشک کے بعض قطعاتِ تاریخ سے انکشاف ہوتا ہے کہ جمادی الاوّل ۱۲۵۴ھ میں اپنی وفات کے وقت ناسخ اپنی عمر کے ۶۸ سال پورے کر کے اہتر دیں (۶۹ ویں) سال میں تھے[2]۔ ماہِ ولادت محرّم کی بنیاد پر ۷ محرّم ۱۲۵۴ھ تک ناسخ اپنی عمر کے ۶۸ سال پورے کر چکے تھے اور ۲۴ جمادی الاوّل ۱۲۵۴ھ کو وفات کے وقت ناسخ کی عمر ۶۸ سال چار ماہ سترہ یوم کے قریب تھی یعنی وہ اہتر دیں سال میں چل رہے تھے۔ اس حساب کے بموجب محرّم ۱۲۵۴ھ میں سے ۶۸ سال کم کرنے پر ناسخ کا سنہ ولادت ۱۱۸۶ھ متعین ہوتا ہے۔ جسے ۱۱۸۵ھ قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔ ان تفصیلات سے ناسخ کی تاریخ ولادت واضح طور پر ۷ محرّم ۱۱۸۶ھ (مطابق جمعہ ۱۰ اپریل ۱۷۷۲ء) متعین ہوتی ہے۔ نیاز فتحپوری نے ناسخ کا سنہ ولادت ۱۲۰۴ھ

---

[1] کلیات ناسخ طبع اوّل ص ۱۳۶ (دیوانِ اوّل)۔ . . . . [2] تفصیل کے لئے دیکھیے: ناسخ: ڈاکٹر شبیہ الحسن نوہروی لکھنؤ طبع فروری ۱۹۷۵ء ص ۹ تا ۱۰۔ ناسخ کی صحیح سنہ ولادت کا تعین پروفیسر نوہروی کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔

درج کیا ہے جو غلطِ محض ہے[1]

ناسخ تیرہ سال کے تھے کہ ۱۱۹۹ھ (۸۵-۱۷۸۴ء) میں انکی والدہ فوت ہوگئیں اور شعبان ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۲ء-۱۸۰۱ء) میں ناسخ کے والد نے بھی سفرِ آخرت اختیار کیا[2]۔ ناسخ کے والدین کی قبریں لکھنؤ میں اہلِ سنت کے قبرستان (واقع روضہ گاؤں نزد گوگھاٹ) میں ملی ہیں۔ ناسخ کی والدہ کے ۱۱۹۹ھ میں وفات پاکر لکھنؤ میں دفن ہونے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ ۱۱۹۹ھ سے قبل بچپن میں ہی لکھنؤ آگئے تھے۔ مصحفی (ابن طوفان) کے بیان بھی اس نظریے کی تائید کر رہے ہیں۔ ناسخ بہ ظاہر اودھ کے دارالسلطنت کی فیض آباد سے لکھنؤ منتقلی کے بعد اپنے والدین کے ساتھ لکھنؤ آئے ہوں گے۔ لکھنؤ کو نواب آصف الدولہ نے جمادی الاول ۱۱۸۹ھ (جولائی ۱۷۷۵ء) کے آس پاس اودھ کی راجدھانی بنایا تھا[3]۔ علی جواد زیدی کے ایک مقالے میں اس واقعے کے سنہ ۱۷۷۵ء کو خلافِ تقویم ۱۱۵۹ھ کے مطابق درج کیا گیا ہے (اکادمی لکھنؤ جولائی ۱۹۸۲ء ص ۵۹) جسے ۱۱۸۹ھ ہونا چاہیئے۔ آبِ بقا (ص ۹) گلِ رعنا (ص ۳۴۳ تا ۳۴۴) نیز

---

[1] انتقادیات (حصہ دوم) از نیاز فتح پوری۔ ص ۱۲۶۔

[2] دیکھئے: (۱) آبِ حیات کا تنقیدی مطالعہ: مسعود حسن رضوی ادیب طبع ۱۹۶۴ء۔ ص ۷۷ تا ۷۸۔ (۲) ناسخ ص ۲۲۴ تا ۲۲۵۔

[3] رجوع کنید: (۱) تاریخِ آصفی: مترجمہ ڈاکٹر نزہت علی دہلی ۱۹۶۸ء ص ۳۶۔ (۲) تلخیص تاریخ اودھ (حصہ دوم) ص ۴۴ تا ۴۵ تلخیص کار ڈاکٹر ذکی کاکوروی۔

انتقادیات حصّہ دوم (ص ۱۲۵) میں ہے کہ ناسخ نواب محمد تقی کے ساتھ فیض آباد سے لکھنؤ آئے تھے۔ یہ بیان اس لیے درست نہیں کہ نواب محمد تقی ترقی بہو بیگم کی وفات کے بعد فیض آباد سے لکھنؤ منتقل ہوئے تھے۔ اور بہو بیگم نے بہ عہدِ غازی الدین حیدر پنج شنبہ ۲۵ر محرّم ۱۲۳۱ھ (از روئے تقویم مطابق ۲۸ر دسمبر ۱۸۱۵ء) کو وفات پائی تھی[1]۔ ظاہر ہے کہ ناسخ ۱۲۳۱ھ سے برسوں قبل ہی لکھنؤ منتقل ہو چکے تھے۔

ناسخ کے والدین کی قبروں کی لکھنؤ میں اہلِ سنّت کے قبرستان میں موجودگی اور ناسخ کی مثنوی معراج نامہ میں بعض اشعار سے

---

[1] سوانحاتِ سلاطین اودھ (جلد اوّل) کمال الدین حیدر۔ مطبع نولکشور طبع نومبر ۱۹۰۷ء ص ۲۳۳ میں بہو بیگم کی تاریخ وفات پنج شنبہ ۲۵ر محرّم ۱۲۳۱ھ کو خلافِ تقویم ۱۸۱۷ء کے مطابق درج کیا گیا ہے۔ تقویم پنج شنبہ ۲۵ر محرم ۱۲۳۱ھ کو ۲۸ر دسمبر ۱۸۱۵ء کے مطابق بتاتی ہے۔ کمال الدین حیدر کی تقلید میں ناسخ۔ ص ۲۰ میں بھی بہو بیگم کے سنہ وفات ۱۲۳۱ھ کو خلافِ تقویم ۱۸۱۷ء کے مطابق درج کیا گیا ہے۔ علی جواد زیدی نے سبط محمد نقوی کے ایک خط کے حوالے سے بہو بیگم کی تاریخ وفات ۲۶ر محرّم ۱۲۳۱ھ مطابق ۱۸ر دسمبر ۱۸۱۵ء درج کی ہے۔ (اکادمی لکھنؤ جولائی ۱۹۸۲ء ص ۵۹) جو درست نہیں۔ بہو بیگم کے یوم وفات پنج شنبے کی بنیاد پر میرے نزدیک انھوں نے پنج شنبہ ۲۸ر دسمبر ۱۸۱۵ء کو وفات پائی تھی جسے ۱۸ر دسمبر لکھنا محلِّ نظر ہے۔ ڈاکٹر شعیب راہی کے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے میں بہو بیگم کا سنہ وفات ۱۸۱۳ء بھی درست نہیں (خواجہ حیدر علی آتش لکھنوی۔ ڈاکٹر شعیب راہی۔ پٹنہ طبع جون ۱۹۸۲ء ص ۱۴)

پتا چلتا ہے کہ[1] ناسخ ابتدا میں اپنے آبائی مذہب کے پیرو تھے۔ لیکن کلیات میں شامل ناسخ کے درجنوں اشعار اس امر پر مشعر ہیں کہ بعد کو ناسخ آبائی اور خود اپنا ابتدائی مذہب تبدیل کر کے شیعہ ہو گئے تھے۔ مذہب کی تبدیلی کا ذکر یہاں اس لئے کیا گیا ہے کہ ناسخ کے متعدد ادبی آثار اور درجنوں اشعار مذہب کی اسی تبدیلی کا نتیجہ ہیں۔ مذہب کی یہ تبدیلی ناسخ کے اس دیوانِ اوّل کی ترتیب کے زمانے میں ہوئی ہو گی جس کا سالِ تکمیل ۱۷-۱۸۱۶ء مطابق ۱۲۳۲ھ ہے۔ ناسخ کے ابتدائی کلام میں ان کے آبائی مذہب کے متعلق اشعار بھی ہوں گے جو دیوانِ اوّل کی ترتیب کے وقت حذف کر دیئے گئے ہوں گے۔ دیوانِ اوّل میں ناسخ کا یہ شعر اسی صورتِ حال کی نشان دہی کرتا ہے: ؎

کیا ہوا گر شیعِ ناسخ ہیں عقیدے کے خلاف
آیۂ منسوخ کیا موجود قرآں میں نہیں

(کلیات ص ۱۹۳)

ناسخ عمر بھر اہل و عیال کے جنجال سے آزاد رہے (آبِ حیات) جوانی میں پہلوانی اور ورزش کا شوق رہا اور سپاہیانہ روش رکھی۔ شروع میں تاجری کی مگر بعد کو ہمہ تن شاعری میں مصروف ہو گئے اور درباروں سرکاروں سے وابستہ رہے۔ تعلیم کی تکمیل شاید شاعری کے شوق کی رہینِ منّت رہی ہو۔ معلمین میں حافظ وارث علی اور مرزا مغل کے نام شامل ہیں۔ دونوں کے لئے کلیاتِ طبع اوّل (ص ۳۸۴ تا ۳۸۵ نیز ۳۹۵ تا ۳۹۶) میں ناسخ کے متعدد قطعات بھی ہیں

---

[1] رسالہ اردو کراچی۔ جولائی تا ستمبر ۱۹۶۸ء ص ۹۴، ۹۵ نیز ۹۸ (مقالہ) رشید حسن خاں۔

آبِ حیات میں ہے کہ ناسخ نے علمائے فرنگی محل سے بھی علمی استفادہ کیا تھا۔ ناسخ اعلا علمی استعداد کے مالک تھے۔

ناسخ نے لکھنؤ میں بیس سال کے سن[1] (یعنی ۱۲۰۶ھ مطابق ۹۲-۱۷۹۱ء) سے جب شاعری شروع کی تو اس وقت سودا و میر حسن وفات پا چکے تھے۔ البتہ میر، مصحفی، انشا، جرأت، قتیل اور سوز جیسے مہاجر شعرا لکھنؤ میں موجود تھے۔ ان شاعروں کے سنین وفات یہ ہیں:

(۱) سودا:۔ ۱۱۹۵ھ مطابق ۸۱-۱۷۸۰ء (بحوالہ کلیات ناسخ۔ طبع ۱۲۷۹ھ۔ دیوان دوم۔ ص ۲۱۹ تا ۲۲۰)

(۲) میر حسن:۔ یکم محرم ۱۲۰۱ھ مطابق ۱۷۸۶ء (آب حیات ص ۲۵۷، اسلافِ میر انیس۔ سید مسعود حسن ادیب ص ۷۹)

(۳) میر تقی میر:۔ جمعہ ۲۰ شعبان ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء (مقدمہ کلیاتِ میر۔ مرتبہ مولانا آسی طبع ۱۹۴۱ء ص ۳۸)

(۴) مصحفی: ۱۲۴۰ھ مطابق ۲۵-۱۸۲۴ء (شمعِ انجمن۔ صدیق حسن خاں طبع ۱۲۹۳ھ ص ۴۱۶)

(۵) انشاء: دوشنبہ ۱۹ مئی ۱۸۱۷ء از روئے تقویم مطابق ۲ رجب ۱۲۳۲ھ (رانی کیتکی کی کہانی: مرتبہ ڈاکٹر سید سلیمان حسین طبع ۱۹۷۵ء ص ۸)

(۶) جرأت: ۱۲۲۴ھ مطابق ۱۰-۱۸۰۹ء (دلّی کا دبستانِ شاعری ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی طبع ۱۹۶۵ء ص ۲۱۳)

---

[1] ریاض الفصحا۔ ص ۳۳۴

(۷) قتیل : ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸-۱۸۱۷ء (کلیات ناسخ طبع ۱۲۷۹ء
دیوان دوم ص ۲۲۳)

(۸) میر سوز : ۱۲۱۳ھ مطابق ۹۹-۱۷۹۸ء (آبِ حیات ص ۱۹۵
نیز تذکرۂ ریاض الفردوس ۔ مولفہ محمد حسین خاں ۔
مرتبہ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل ۔ لاہور طبع ۱۹۶۸ء ص ۹۷)

ناسخ نے شاعری میں کسی اُستاد سے اصلاح نہ پائی[1]۔ لیکن انھوں نے اردو، فارسی کے ممتاز شاعروں کے کلام سے ضرور فیض حاصل کیا تھا۔ دیوانِ دوم میں ناسخ کا یہ شعر اسی صورتِ حال کا آئینہ دار ہے[2]۔

---

[1] بعض اصحاب کا قیاس کہ ناسخ شاعری میں مصحفی یا تپش کے شاگرد تھے۔ اب جدید تحقیق سے مشکوک ثابت ہو چکا ہے (دیکھئے: (۱) مصحفی حیات و کلام: افسر صدیقی کراچی طبع ۱۹۷۵ء ص ۱۶۶ تا ۱۶۸ (۲) سخنِ شعرا طبع ۱۸۷۴ء ص ۴۹۱۔ (۳) تذکرہ خوش معرکۂ زیبا ص ۴۸۵ (۴) آبِ بقا طبع ستمبر ۱۹۲۸ء ص ۱۱۳ (۵) ناسخ ص ۲۹ تا ۳۶) آبِ حیات ص ۳۴۵ میں روایت ہے کہ ناسخ نے میر سے اپنے کلام پر اصلاح چاہی تھی مگر میر نے ناسخ کو شاگرد بنانے سے انکار کر دیا تھا۔ ناسخ نے اپنے کلیات کے متعدد اشعار میں میر کا ذکر احترام کے ساتھ کیا ہے اور خوش معرکۂ زیبا ص ۴۸۵ میں ناسخ کا یہ شعر بھی ملتا ہے: ؎

جانتے ہیں خوب اُردوئے مُعلّٰی کی زبان
مدتوں صحبت رہی ہے ہم کو ناسخ میر سے

یہ شعر کلیاتِ ناسخ طبع ۱۲۷۹ھ وغیرہ میں تلاش کے باوجود مجھے نہیں مل سکا۔

ن سی طرزِ سخن ہے جو اسے آتی نہیں
یوں نہ ہو، شاگرد ہے ناسخ ہر اک اُستاد کا

کلام ناسخ میں ڈھائی درجن ایسے اشعار موجود ہیں جن میں مندرجۂ ذیل شاعروں یا ان کے اشعار کے حوالے آئے ہیں:

(۱) سودا کے لئے چھ اشعار (کلیاتِ ناسخ طبع اوّل صفحات ۱۵، ۲۲، ۲۳، ۴۷، ۱۲۹، ۳۱۲، ۳۱۳۔

(۲) حافظ شیرازی کے لئے پانچ اشعار (ص۔ ۸۲، ۱۲۱، ۱۶۸، ۳۲۵، نیز ۳۳۰)

(۳) درد کے لیے پانچ اشعار (ص ۲۴، ۲۴۹، ۳۶۳، نیز دیکھئے کلیات ناسخ طبع ۱۲۷۹ھ، دیوان دوم، ص ۱۱۳ نیز ص ۱۷۷)

(۴) میر کے لئے چار اشعار (ص ۱۳۸، ۱۴۴، ۱۷۹، نیز خوش معرکۂ زیبا ص ۴۸۵)

(۵) میر حسن کے لئے ایک شعر (ص ۳۴)

(۶) بیدل کے لئے ایک شعر (ص ۴۰)

(۷) غنی کشمیری کے لئے ایک شعر (ص ۲۵[illegible])

(۸) علی حزیں کے لئے ایک شعر ([illegible])

(۹) سعدی کے لئے ایک شعر (ص ۳۰۴)

(۱۰) فردوسی کے لئے ایک طنزیہ شعر (کلیات طبع ۱۲۷۹ھ دیوان اوّل ص ۱۳)

(۱۱) صائب کے لئے ایک شعر (کلیات طبع ۱۲۷۹ھ دیوانِ اوّل ص ۴۸)

(۱۲) عربی کے شاعر سحبانِ وائل کے لئے ایک شعر (کلیاتِ ناسخ، طبع ۱۲۷۹ھ دیوان اوّل ص ۱۳۵)

(۱۳) سلمان ساوجی کے لئے ایک شعر (کلیات طبع ۱۲۷۹ھ دیوانِ دوم ص ۱۷۳)

(۱۴) ہوسؔ لکھنوی کے لئے ایک شعر (کلیات ص ۳۰۵)

ناسخ نے ادبی زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ اپنے دور کی درباری اور سیاسی زندگی کے نشیب و فراز بھی دیکھے تھے۔ دربارِ اودھ میں ان کے مربی درباریوں کے عروج و زوال یا وزارتوں کی تبدیلیوں سے ان کا مستقبل وابستہ رہتا تھا۔ سیاسی حالات کبھی سازگار ہوتے اور کبھی ناسخ کو خود حالات کی ناسازگاری کا شکار ہو کر لکھنؤ سے بار بار فرار اختیار کرنا پڑتا تھا۔ ناسخ ایک مرتبہ رجب ۱۲۴۳ھ (مطابق جنوری ۱۸۲۸ء) کے قریب لکھنؤ سے نکلے تھے۔ مسافرت کا یہ زمانہ ناسخ نے یا تو دائرہ شاہ اجمل کی درگاہ واقع الہ آباد میں گزارا یا کبھی کبھی کان پور میں مقیم رہے۔ کم و بیش پانچ سال کی طویل مدت کے بعد ۳ رجب ۱۲۴۸ھ مطابق اواخر نومبر ۱۸۳۲ء کو ناسخ لکھنؤ واپس آئے۔ لکھنؤ میں پانچ سال سکون سے رہے۔ لیکن ناسازگار حالات نے اواخر رجب ۱۲۵۳ھ کے بعد ناسخ کو پھر لکھنؤ چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور اس بار وہ صرف دو تین ماہ کی مسافرت کے بعد شوال ۱۲۵۳ھ (مطابق جنوری ۱۸۳۸ء) میں لکھنؤ واپس ہوئے تھے۔ ناسخ کی ان مسافرتوں سے باخبر رہنا یوں ضروری ہے کہ انھوں نے متعدد غزلوں یا رباعیوں وغیرہ میں اپنے وہ تجربات یا

تاثرات پیش ہیں جن سے انھیں اپنی ان مسافرتوں کے دوران دوچار ہونا پڑا تھا۔

ظاہر ہے کہ کلام ناسخ کے ان حصوں کو سمجھنے کے لئے ناسخ کے ان سفروں کے زمانے وغیرہ سے باخبر رہنا ضروری ہے (ناسخ کی مسافرتوں کی تفصیل ہم نے پروفیسر نوہزوی کی کتاب ناسخ سے پیش کی ہے۔)

شوال ۱۲۵۳ھ (جنوری ۱۸۳۸ء) میں ناسخ لکھنؤ آئے اور انھیں اودھ کے حکمران محمد علی شاہ نے درمایہ اور خلعت سے بھی سرفراز کیا۔ کلام ناسخ میں محمد علی شاہ کے لئے مدحیہ اشعار و قطعات کی تعداد قابل لحاظ ہے جو شاید اسی لطف و عنایت کا نتیجہ ہوگی۔ شوال ۱۲۵۳ھ کے بعد ناسخ لکھنؤ سے کسی سفر پر نہ نکلے اور فرنگی محل لکھنؤ کے قریب واقع محلہ ٹکسال کے اپنے مکان میں چند ماہ مقیم رہ کر ۲۴ جمادی الاول ۱۲۵۴ھ (مطابق پنج شنبہ ۱۶ اگست ۱۸۳۸ء) کو ناسخ نے آخر کار وہ ناگزیر آخری سفر اختیار کیا جسے سفر آخرت کہتے ہیں۔ محلہ ٹکسال لکھنؤ کے مسکونہ مکان ہی میں ان کی تدفین عمل میں آئی[1] اب بدلی ہوئی شکل میں

---

[1] مرتضیٰ فاضل نے ناسخ کے سنہ وفات ۱۲۵۴ھ و ۱۸۳۹ء کے مطابق لکھا ہے یہ اندراج محل نظر ہے۔ ناسخ کی تاریخ وفات ان کے شاگرد میر علی اوسط رشک کے ایک قطعۂ تاریخ سے پنج شنبہ ۲۴ جمادی الاول ۱۲۵۴ھ دستیاب ہوتی ہے جو از روئے تقویم یوم وفات پنج شنبہ کی بنیاد پر ۱۶ اگست ۱۸۳۸ء کے مطابق تھی۔ لہٰذا مولانا فاضل لکھنوی کا وفات ناسخ کے سلسلے میں ۱۸۳۹ء لکھنا درست نہیں (دیکھئے: (۱) عود ہندی: غالب مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی مجلس ترقی ادب لاہور طبع جون ۱۹۶۷ء، ص ۳۴۱ حاشیہ ۱۔ (۲) ناسخ ص ۹ تا ۱۰)

ناسخ کا یہ مکان تو موجود ہے۔ مگر نشانِ قبر کا پتہ نہیں چلتا۔

ناسخ نے نشیب و فراز، کشمکش اور ادبی معرکہ آرائی سے معمور ایک بھرپور زندگی گزاری جس میں انھیں رفیقوں، حلیفوں اور شاگردوں سے محبت نیز حریفوں سے عداوت اور مخالفت ملتی رہی تھی۔ ناسخ تقریباً ۴۸ سالہ ادبی زندگی (۱۲۰۶ تا ۱۲۰۷ھ) میں کسی اُستاد کے تو شاگرد نہ رہے لیکن وہ درجنوں شاگردوں کے استاد ضرور قرار پائے اور خود اُن کے متعدد شاگردوں کو بھی استادی کا درجہ ملا۔ تلامذۂ ناسخ میں آباد، امانت، انس، بحر، برق، دلگیر، رشک، فصیح، قبول، گویا، میر شکوہ آبادی، حاتم علی مہر، نادر اور خواجہ وزیر جیسے ممتاز شاعر شامل ہیں۔ جنھیں استاد کا مرتبہ حاصل تھا۔

ناسخ کے ادبی آثار

ناسخ نے اپنی ۴۸ سالہ ادبی زندگی میں جو شعری اثاثہ چھوڑا اس کے لئے تین دیوان بھی ناکافی ثابت ہوئے۔ ناسخ کا جو کلام ان کے متداول مطبوعہ کلیات میں شامل نہیں ہو سکا ہے اس کی مقدار بھی قابلِ لحاظ ہے۔ وہ مختلف قلمی نسخوں میں موجود ہے[1]۔ ریاض الفصحا

---

[1] دیکھئے: (۱) ذکر و فکر: پروفیسر گیان چند جین طبع ۱۹۸۰ء ص ۱۴۷ تا ۱۵۶۔
(۲) دریافت: ڈاکٹر محمود الٰہی لکھنؤ طبع دسمبر ۱۹۶۵ء ص ۱۰۷ تا ۱۰۹۔
(۳) اردو کراچی شمارہ جولائی تا ستمبر ۱۹۶۸ء ص ۹۳ تا ۱۰۴ (مقالہ رشید حسن خاں) (۴) ناسخ: ڈاکٹر شبیہ الحسن نوبہاری میں بھی ناسخ کے بعض غیر متداول اشعار ہیں۔
(۵) [illegible] جولائی تا اکتوبر [illegible] ص [illegible] تا ۲۹۔ مقالہ [illegible]

میں بھی ناسخ کا کچھ غیر متداول کلام شامل ہے۔

ناسخ کا کلیات اُن کی وفات کے بعد بہ عنوانِ کلیاتِ شیخ امام بخش ناسخ پہلی بار میر حسن رضوی کی فرمائش پر مطبع محمدی لکھنؤ سے زیر اہتمامِ حاجی محمد حسین مورخہ ۲۱ ذی الحجہ ۱۸۵۸ھ کو چھپا تھا۔[1] رشید حسن خاں اور پروفیسر شبیہ الحسن نوہروی نے کلیاتِ ناسخ طبع اوّل کے سالِ اشاعت ذی الحجہ ۱۲۵۸ھ کو ۱۸۴۲ء کے مطابق قرار دیا ہے[2]۔ جو خلافِ تقویم ہونے کے باعث درست نہیں۔ تقویم ۲۱ ذی الحجہ ۱۲۵۸ھ کو ..... دوشنبہ ۲۳ جنوری ۱۸۴۳ء کے مطابق قرار دیتی ہے۔

کلیاتِ ناسخ طبع اوّل کی ناپ ۲۶ × ۱۷ سنٹی میٹر اور صفحات ۴۰۴ + ۸ = ۴۱۲ صفحات ہے۔ ان ۴۱۲ صفحات میں غلط نامے کا آٹھ صفحات کا وہ فارم بھی شامل ہے جسے شاگرد ناسخ رشک نے ۱۲۵۹ھ میں شاملِ کلیات کیا تھا اور جس کے شروع کے سات صفحات میں ہی غلط نامہ آیا ہے نیز آخری آٹھواں صفحہ سادہ ہے۔ اس غلط نامے میں رشک نے جو طریقۂ کار اختیار کیا ہے وہ کہیں کہیں تصحیح کے حدود سے نکل کر ترمیم متن کی سرحدوں میں آگیا ہے۔ انتخابِ ناسخ ص ۱۲۲ تا ۱۲۹ میں رشید حسن خاں نے غلط نامے کے اس پہلو پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ کلیاتِ ناسخ طبع اوّل کے اس

---

[1] یہ تفصیلات کلیاتِ شیخ امام بخش ناسخ۔ طبع اوّل کے سرورق نیز ص ۴۰۲ کے اندراجات پر مبنی ہیں۔

[2] دیکھئے: (۱) انتخابِ ناسخ: مرتبہ رشید حسن خاں نئی دہلی طبع اپریل ۱۹۷۲ء ص ۱۱۸

(۲) ناسخ: ڈاکٹر شبیہ الحسن نوہروی ص ۲۰۵

کم یاب نسخے کے لئے ہم استاذی پروفیسر شبیہ الحسن نوہروی کے ممنون ہیں۔

کلیاتِ ناسخ طبع اوّل ص ۳۹۸ تا ۳۹۹ کے اندراجوں سے انکشاف ہوتا ہے کہ اس کلیات میں ناسخ کے تین دیوان شامل ہیں۔ پہلے دیوان کا تاریخی نام دیوانِ ناسخ میاں غنی کا تجویز کردہ ہے[1]۔ جس سے بہ قاعدہ زبرد بینات سنہ تکمیل ۱۲۳۲ھ (مطابق ۱۷-۱۸۱۶ء) برآمد ہوتا ہے۔ دوسرے دیوان کا اسمِ تاریخی "دفترِ پریشان خود ناسخ کا تجویز کردہ ہے۔ جس سے سنہ تکمیل ۱۲۴۷ھ (مطابق ۳۲-۱۸۳۱ء) مستخرج ہوتا ہے۔ "دفترِ پریشان" میں ناسخ کا وہ کلام بھی ہے جو "درپریشانی آمدو رفتِ الہ آباد" معرضِ وجود میں آیا تھا۔

ناسخ کے تیسرے دیوان کا تاریخی نام "دفترِ شعر رشک نے تجویز کیا تھا۔ جس سے سنہ تکمیل ۱۲۵۴ھ (مطابق ۳۸-۱۸۳۸ء) نکلتا ہے۔ جو ناسخ کا سالِ وفات بھی ہے۔

---

[1] کلیاتِ شیخ امام بخش ناسخ طبع اوّل میں میاں غنی کو ناسخ کا شاگرد قرار دیا گیا ہے مگر تذکرے اس اندراج کی تصدیق کرنے سے قاصر ہیں۔ ایک درجن سے زیادہ تذکروں کی ورق گردانی کرنے کے باوجود مجھے میاں غنی کے ناسخ سے تلمذ کی تصدیق نہ ہو سکی۔ دیکھئے: (۱) سخن شعرا (۲) خوش معرکہ زیبا (۳) سراپا سخن (۴) تذکرۂ نادر (۵) بزمِ سخن (۶) طورِ کلیم (۷) گلشن بے خار (۸) ریاض الفصحا (۹) گلستانِ بے خزاں (۱۰) تذکرۂ ریاض الفردوس (۱۱) قطعۂ منتخب: نساخ (۱۲) شمعِ انجمن (۱۳) نگارستانِ سخن (۱۴) صبح گلشن (۱۵) عقدِ ثریا"۔

کلیات ناسخ طبع اوّل میں شامل مولوی مقبول احمد کی عبارتِ خاتمہ ص ۴۰۲ سے پتا چلتا ہے کہ اس کلیات میں ناسخ کا پہلا دیوان تو متن یا حوض میں ہے اور دوسرے دیوان نے حاشیے میں جگہ پائی ہے۔ ناسخ کا تیسرا دیوان ردیف داران کے دوسرے دیوان میں ہی شامل ہے۔

کلامِ ناسخ کے تاریخی ترتیب سے مطالعے کے لئے تیسرے دیوان کو دوسرے دیوان سے الگ کرنا ضروری ہے۔ ڈاکٹر محمود الٰہی مخطوطۂ گورکھپور کی مدد سے ناسخ کے دوسرے دیوان کے متن کو متعین کرنے کے لئے "دفتر پریشان کے مطلعوں کی ایک فہرست پیش کر چکے ہیں (بازیافت ص ۱۰۱ تا ۱۳۸) جس کی بنیاد پر ہم نے زیرِ نظر انتخاب غزلیات ناسخ میں دوسرے اور تیسرے دیوان کا منتخب متن الگ الگ پیش کیا ہے۔

زیرِ نظر انتخاب غزلیات ناسخ کے متن کو پیش کرنے میں ہم نے کلیاتِ شیخ امام بخش ناسخ طبع اوّل کے علاوہ کلیات ناسخ مطبع نول کشور لکھنؤ طبع ۱۲۷۹ھ سے بھی مدد لی ہے۔ ۱۲۷۹ھ کا ایڈیشن بھی کئی لحاظ سے اہم ہے اور یہ ہمارے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۔ کلیات کا پہلا ایڈیشن مطبع محمدی لکھنؤ میں چھپا تھا۔ ہم نے حواشی وغیرہ میں اس پہلے ایڈیشن کی علامت "م" رکھی ہے اور ۱۲۷۹ھ کے نول کشوری ایڈیشن کے لیے ہم نے علامت "ن" رکھی ہے۔ انتخاب ناسخ مرتبہ رشید حسن خاں مطبوعہ لبرٹی پریس دہلی طبع اپریل ۱۹۷۲ء کے لئے ہم نے علامت "ل" رکھی ہے۔

کلیاتِ ناسخ میں بہ تفصیلِ ذیل ۸۳۸ غزلیں[1] ہیں۔

(۱) دیوانِ اوّل ۳۰۸ غزلیں۔ (۲) دیوان دوم ۳۹۳ غزلیں

(۳) دیوانِ سوم ۱۳۷ غزلیں۔

پروفیسر نوہزوی نے بھی ناسخ کے تیسرے دیوان میں سوا سو سے زیادہ غزلیں بتائی ہیں (ناسخ ص ۲۰۹)۔

ہم نے زیرِ نظر انتخاب میں تیسرے دیوان کا جو علاحدہ منتخب متن پیش کیا ہے اس میں یہ اشعار قابلِ غور ہیں۔ ؎

پھر کسی محبوبِ معنی فہم سے اُلفت ہوئی
پھر نیا دیوان ناسخ کا مرتب ہو گیا (م ص ۶۲)

تا بہ دیوانِ قیامت ہے یقیں اے ناسخ
ہو نہ منسوخ یہ دیوان خدا حافظ ہے (م ص ۳۴۱)

تیسرے دیوان کے یہ اشعار صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ نیا دیوان بھی خود ناسخ کی زندگی میں مُرتب ہو گیا تھا۔ مگر مختصر ہونے کے باعث یہ دوسرے دیوان میں شامل کر دیا گیا۔ اِن شواہد کی روشنی میں پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب اور رشید حسن خاں کا یہ قیاس درست نہیں کہ ناسخ کا تیسرا دیوان ناسخ کی وفات کے بعد مرتب ہوا ہو گا۔[2]

---

[1] یہ اعداد و شمار ان فہرستوں پر مبنی ہیں جو "ن" کے ابتدائی صفحات میں شامل ہیں۔ مذکورہ ۸۳۸ کی تعداد میں متعدد فردیات بھی شامل ہیں۔ ڈاکٹر رفیق حسین نے کلیاتِ ناسخ میں غزلوں کی مجموعی تعداد ۸۱۵ بتائی ہے۔ (اردو غزل کی نشو و نما: ڈاکٹر رفیق حسین الہ آباد ۱۹۵۵ء ص ۳۰۵) [2] رجوع کیجئے: (۱) آبِ حیات کا تنقیدی مطالعہ: مسعود حسن ادیب ص ۶۹ (۲) انتخابِ ناسخ: مرتبہ رشید حسن خاں ص ۱۱۰

پروفیسر شبیہہ الحسن نوہروی بھی اسی نتیجے پر پہونچے ہیں کہ تیسرا دیوان ناسخ کی زندگی میں ہی مرتب ہو چکا تھا۔ (ناسخ ص ۲۰۸ تا ۲۰۹)

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ ناسخ کے پہلے دیوان (تاریخی نام دیوانِ ناسخ ۱۲۳۲ھ) میں عموماً ۱۲۰۶ھ سے ۱۲۳۲ھ تک کا کلام ہے۔ دوسرے دیوان (تاریخی نام دفتر پریشان ۱۲۴۷ھ) میں عموماً ۱۲۳۳ھ سے ۱۲۴۷ھ تک کا کلام ہے اور ناسخ کے تیسرے دیوان (اسم تاریخی دفتر شعر ۱۲۵۴ھ) میں ۱۲۴۸ھ سے ۱۲۵۴ھ تک کا کلام ہے۔ یہاں لفظ "عموماً" سے مراد یہ ہے کہ ناسخ کے پہلے اور دوسرے دیوان میں ان کے سنین ترتیب کے بعد کی بھی بعض غزلیں استثنائی حیثیت رکھتی ہیں اور ہم نے زیرِ نظر انتخاب میں ان غزلوں کی نشان دہی بھی حاشیوں میں کی ہے۔ زیرِ نظر انتخاب میں ہم نے منتخب غزلوں پر اُن کے نمبر درج کر دیئے ہیں اور متن کے بعد تعلیقات و حواشی میں غزلوں کے نمبر کے ماتحت ہم نے حواشی بھی لکھے ہیں جو غزلوں کے نمبر کے ماتحت الگ الگ سلسلوں میں ملیں گے۔ امید ہے کہ تعلیقات و حواشی مطالعۂ کلامِ ناسخ میں معاون ثابت ہوں گے۔

ہم نے اِس انتخاب میں ناسخ کے تیسرے دیوان "دفترِ شعر" (۱۲۵۴ھ) کا جو منتخب متن پیش کیا ہے اس میں متعدد اشعار محمد علی شاہ کی مدح میں ملتے ہیں جو نصیر الدین حیدر کی وفات (۳ ربیع الآخر ۱۲۵۳ مطابق جمعہ ۷ جولائی ۱۸۳۷ء[1]) کے بعد ربیع الآخر ۱۲۵۳ھ میں

---

[1] نصیر الدین حیدر کی یہ تاریخِ وفات فسانۂ عبرت: مولفہ مرزا رجب علی سرور۔ مرتبہ مسعود حسن رضوی ادیب لکھنؤ طبع دسمبر ۱۹۵۷ء ص ۱۷ کے اندراج پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر شعیب راہی نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ (بقیہ ص ۲۲ پر

نا اودھ کے حکمران ہوئے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ ناسخ کے تیسرے دیوان دفترِ شعر (سنہ تکمیل ۱۲۵۴ھ) کے زیرِ ترتیب ہونے کا ہی زمانہ تھا۔ محمد علی شاہ کی مدح میں دفترِ شعر کے متعلقہ اشعار میں سے بعض یہ ہیں:

ہو مُبارک تا صد و سی سال چترِ سلطنت
سایہ افگن ہو اسد رایت علم بردار کا
جو ابو الفتحِ معین الدّین غازی سے پھرے
کشتہ ہو وہ ذوالفقارِ حیدرِ کرّار کا
بادشہ میرا رہے دائم صحیح و تندرست
واسطہ دیتا ہوں یارب عابدِ بیمار کا

(م ۵۴ تا ۵۵) ——————

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱ کا) میں نصیر الدین حیدر کی تاریخ وفات ۴ ربیع الثانی ۱۲۵۴ھ مطابق ۸ جولائی ۱۸۳۶ء درج کی ہے جو نہ صرف خلافِ تقویم بلکہ خلافِ واقعہ بھی ہے۔ تقویم ۴ ربیع الثانی ۱۲۵۴ھ کو جولائی ۱۸۳۶ء کے بجائے جون ۱۸۳۸ء کے مطابق بتاتی ہے۔ اس کے علاوہ رجب علی بیگ سرور کی معاصر شہادت کی روشنی میں نصیر الدین حیدر کی تاریخِ وفات ۳ ربیع الآخر ۱۲۵۳ھ مطابق جمعہ ۷ جولائی ۱۸۳۷ء ہی درست ثابت ہوتی ہے۔ سرور کے اس اندراج کی تصدیق تقویم بھی کرتی ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر شعیب راہی کا محولہ بالا خلاف تقویم اور خلافِ واقعہ اندراج نظرِ ثانی کا محتاج ہے۔

(خواجہ حیدر علی آتش لکھنوی۔ ڈاکٹر شعیب راہی
طبع جون ۱۹۸۲ء ص ۲۱ تا ۲۲)

شہِ زمانہ ابوالفتح کو مبارک ہو
ترے کرم سے ہے یا ذوالجلال سالگرہ (م ۲۲۹)

ان اشعار میں "ابوالفتح معین الدین غازی" سے مراد ہیں محمد علی شاہ تاجدارِ اودھ جن کی مدح کے دوسرے قطعات میں بھی ناسخ نے انھیں اسی خطاب سے یاد کیا ہے۔ (دیکھئے م صفحات ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۲، ۳۷۳، نیز ۳۷۵)۔

محمد علی شاہ کی مدح کے منقولۂ بالا اشعار سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہم نے زیرِ نظر انتخاب غزلیاتِ ناسخ میں ناسخ کے تیسرے دیوانِ "دفترِ شعر" کا جو منتخب متن متعین کیا ہے اُس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ مطبوعہ کلیات ناسخ میں غزلوں کے علاوہ مثنوی، رباعی اور قطعۂ تاریخ وغیرہ کے نمونے بھی ہیں۔ مگر زیرِ نظر انتخاب کے محدود صفحات میں غزلوں کے علاوہ کسی دوسری صنف کی گنجائش نہیں۔

کلام ناسخ کے قلمی نسخوں میں ناسخ کا جو غیر متداول کلام دستیاب ہوا ہے اس میں مذکورۂ بالا اصناف کے علاوہ بعض دوسرے اصناف کے نمونے بھی ملے ہیں جن میں فارسی قصائد نیز اردو مخمس شامل ہیں۔ ایک غیر مصدقہ خبر یہ بھی ہے کہ ناسخ کا ایک مرثیہ اور ایک سلام بھی پاکستان میں ملا ہے۔

کلامِ ناسخ کا تنقیدی جائزہ

ناسخ کے مطبوعہ کلیات میں مع فردیات غزلوں کی مجموعی تعداد ۳۸[1]

---

[1] دک: (۱) حقائق: ڈاکٹر گیان چند طبع جون ۱۹۷۸ء۔ صفحات ۳۱۳ تا ۳۲۲ (۲) ذکر و فکر ص ۱۴۹، تا ۱۵۱۔

ہے جو غزل گوئی سے اُن کے غیر معمولی شغف پر دال ہیں۔ ناسخ کے مطبوعہ کلیات میں جو اصنافِ سخن شامل ہیں۔ اُن میں سب سے بڑی تعداد غزلوں ہی کی ہے۔ ان اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ ناسخ کی تخلیقی صلاحیتوں کا سب سے زیادہ حصہ غزل گوئی پر صرف ہوا ہے۔ غزل گوئی میں آتش اُن کے اہم ترین حریف تھے۔ دونوں حریفوں کی چشمکوں نے لکھنؤ میں اردو شاعری کو ایسی تقویت پہنچائی کہ دہلی کے علی الرغم لکھنؤ اردو شاعری کے اہم ترین مرکزوں میں شمار ہونے لگا۔ ناسخ نے دہلی کے علی الرغم لکھنؤ میں شاعری کی ایک ایسی نئی روایت قائم کر دی جس کی تقلید مصحفی جیسے بزرگ شاعر کے لئے بھی ناگزیر ہو گئی۔ مصحفی نے ۱۲۲۴ھ میں لکھے جانے والے اپنے دیوانِ ششم کے دیباچے میں اعتراف کیا ہے کہ ناسخ نے پرانے شاعروں کی سادہ گوئی کو منسوخ کر کے لکھنؤ میں تازہ گوئی کی جو نئی روایت قائم کر دی اس کی تقلید نہ صرف آتش بلکہ خود مصحفی نے بھی کی۔ مصحفی نے دیوانِ ششم میں ناسخ کی طرزِ جدید کے رنگ کا کلام بھی پیش کیا ہے (مصحفی حیات و کلام ص ۱۶۴ تا ۱۶۵) ناسخ کی طرزِ نو کے اثرات سے غالب و مومن جیسے دہلوی شاعر بھی اپنی ادبی زندگی کے ابتدائی دور میں متاثر ہوئے اور[1] یہاں تک کہ کلکتے کے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے مومن شخصیت اور فن: ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی دہلی طبع فروری ۱۹۷۲ء ص ۴۷۸ تا ۴۸۶۔ غالب نے ناسخ کی اس نئی طرز کی شاعری کے متعلق اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے: "..... شیخ امام بخش (ناسخ) طرزِ جدید کے موجد اور پرانی ناہموار روشوں کے ناسخ تھے ....." اعودھندی: (بقیہ نوٹ صفحہ پر)

عبدالغفور نساخ بھی جو ناسخ کی نکتہ چینی میں پیش پیش رہتے تھے ناسخ کے جواب میں اپنا کلام پیش کرنے میں ناسخ کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔[1]

ان مثالوں سے بہ خوبی واضح ہوتا ہے کہ ناسخ نے اپنے دور میں اردو شاعری کو ایک ایسے نئے جادے سے روشناس کرایا جس پر ایک عرصے تک خاصی چہل پہل رہی اور شاہراہِ ناسخ پر گام فرسائی کرنے والے شاعروں کے قافلے میں نہ صرف لکھنؤ بلکہ دور دور کے شاعر بھی شامل ہیں۔ لکھنؤ ایک عرصے تک ادبی لحاظ سے دہلی سے آنے والی پچھلی ہواؤں کی زد پر رہا۔ لیکن ناسخ کی نئی شاعری نے زمت میں ایسی تبدیلی کر دی کہ لکھنؤ سے چل کر پروا ہوائیں اب دہلی تک پہونچنے لگیں تھیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴ کا) غالب۔ مطبع مجتبائی میرٹھ طبع اوّل مطبوعہ اکتوبر ۱۸۶۸ء ۔ ۱۲۸۵ھ ص ۱۲۵۔ مکتوب بہ نام نساخ) شیخ امیر اللہ سرور کے نام اپنے ایک فارسی خط میں غالب نے ناسخ کے بارے میں، جو کچھ لکھا ہے اس کا اردو مفہوم یہ ہے:۔۔۔ اوراقِ اشعار سرسری دیکھے۔ جن افراد کا کلام اس مجموعے میں شامل ہے ان میں میں نے مرزا حیدر علی اتفق کو کامل پایا اور ان کی روش پسند آئی کہ یہی انداز شیخ امام بخش ناسخ خواجہ حیدر علی آتش اور دوسرے تازہ خیالان لکھنؤ کا ہے۔

(پنج آہنگ (آہنگ پنجم) مترجمہ محمد عمر مہاجر۔ کراچی طبع مارچ ۱۹۶۹ء ص ۳۲)

[1] رجوع کیجئے: (۱) دفترِ بے مثال: نساخ۔ مطبع نولکشور طبع اکتوبر ۱۸۷۴ء

(۲) اشعارِ نساخ: نساخ۔ " " " "

(۳) نساخ۔ حیات و تصانیف: ڈاکٹر محمد صدر الحق۔ کراچی طبع اوّل۔ ص ۱۶۰، ۱۶۶ تا ۱۷۵، نیز ۱۷۸۔

(تفصیل کے لیے دیکھئے ناسخ ص ۳۶۴ تا ۳۶۸)

ناسخ اس ابھرتے ہوئے لکھنؤ کے شاعر ہیں جہاں "شاہِ زمن" غازی الدین حیدر کی نئی بادشاہت کے زیرِ سایہ ایک نئی تہذیب و معاشرت پر تکلف تراش و خراش کے عمل سے گزر کر زندگی کو نئی نئی نزاکتوں اور نفاستوں کی چمک دمک سے معمور کر رہی تھی۔ لکھنؤ کے پُر تکلف ماحول میں ناسخ کی صناعیوں سے پُر شاعری اُس زمانے میں سکۂ رائج الوقت بنی ہوئی تھی۔ یہ سکے محلہ ٹکسال لکھنؤ میں ڈھلتے تھے۔ جہاں ناسخ کا مکان تھا اور اُن کا چلن اپنے زمانے میں نہ صرف لکھنؤ بلکہ دور دور تک تھا۔ ناسخ کی شاعری ہندوستان کے ادبی اور معاشرتی نقشے پر ابھرنے والے اس جدید لکھنؤ کی آواز ہے۔ جہاں زندگی کے ہر شعبے میں نت نئی ایجادوں کا دور دورہ تھا اور جہاں زندگی جدتوں کے آغوش میں کروٹیں بدل رہی تھی۔

عہدِ ناسخ کے دوران لکھنؤ نے ہر شے میں جدتیں پیدا کیں اور اپنا ایک نیا معیار قائم کیا[1]۔ تازہ کاری کے ایسے ہمہ گیر اثرات جب زندگی کی ہر شے اور ہر شعبے کو اپنی گرفت میں لے رہے تھے تو زندگی کی ترجمانی کرنے والے ادب کا ان اثرات سے بچنا کہاں ممکن تھا۔ لکھنؤ میں زندگی کی نئی کروٹیں شعر و ادب کو بھی نئی کروٹ بدلنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ ناسخ نے وقت کی اسی ضرورت اور اپنے دور کے اسی مطالبے کو محسوس کر کے دہلوی سادہ گویان کے علی الرغم لکھنؤ میں تازہ گویان کی ایک جماعت تیار کر دی۔ ناسخ کا یہ شعر شاید اسی صورتِ حال کا ترجمان ہے۔ ؎

---

[1] ان امور کی تفصیل کے لئے دیکھئے: لکھنؤ کی تہذیبی میراث: ڈاکٹر سید صفدر حسین۔ لاہور طبع ۱۹۷۵ء ص ۲۷۶۔

سب زمینیں ہیں نئی، ہیئتیں ہیں اے یار نئی
روزیاں ریختے کی اٹھتی ہے دیوار نئی (م ۳۳۴)

دہلوی شعرا کی سادہ گوئی کے علی الرغم ناسخ نے لکھنؤ میں جس تازہ گوئی کی طرح ڈالی اس کے تشکیلی عناصر کن خصوصیات کے حامل ہیں اور ناسخ کی اس سادہ گوئی نے اردو شاعری کے ارتقا کی سمت و رفتار کو کس حد تک متاثر کیا۔ آئندہ سطور میں انھیں بنیادی موضوعات کی روشنی میں ناسخ کی شاعری کے امتیازی خصوصیات اور ان کی شاعرانہ قدر و قیمت پر اجمالی گفتگو ملے گی۔

ناسخ کے ایوانِ شاعری میں دل سے زیادہ دماغ کی حکمرانی ملتی ہے۔ ناسخ کی غزلیہ شاعری قلب کی آواز سے زیادہ ذہنی موشگافیوں کا نمونہ ہے۔ ان کے اشعار عموماً دل کو متاثر کرنے کے بجائے دماغ کو مرعوب کرتے ہیں۔ کلامِ ناسخ میر کی سادہ گوئی اور جذبۂ احساس کی شاعری سے بالکل مختلف کم از کم اردو شاعری کے لئے ایک نئی آواز تھی حالانکہ فارسی شاعری میں بیدل اور ناصر علی کے یہاں اس کے نمونے ناسخ سے قبل موجود تھے۔ جیسا کہ آب حیات ص ۳۵۴ میں آزاد نے بھی لکھا ہے۔

ناسخ کی یہ نئی شاعری قلبی جذبات کی گرمی سے زیادہ علم و فن کی روشنی سے معمور تھی۔ عجب نہیں کہ اس میں فرنگی محل لکھنؤ کے اس علمی ماحول کی دین بھی شامل ہو جہاں علما کے زیر سایہ ناسخ اپنے مکان واقع محلہ ٹکسال میں فروکش تھے۔

محلہ ٹکسال جہاں ناسخ رہتے تھے اس فرنگی محل کے بالکل قریب

واقع ہے جو عہدِ عالم گیر سے علما و افاضل کا علمی مرکز بنا ہوا تھا اور جہاں کا نصاب تعلیم سلسلۂ نظامیہ کے نام سے دور دور تک مشہور و مقبول تھا۔[1] ناسخ نے اردو شاعری میں علمی مذاق کو شامل کر کے اُسے ادبی حلقوں کے ساتھ ساتھ علمی حلقوں میں بھی مقبول بنانے کی جو سعی کی تھی اُس کے اثرات ہمیں سلسلۂ ناسخ کے شاعروں میں رشک و جلال کی علمی اور ادبی سرگرمیوں میں بھی محسوس ہوتے ہیں۔[2] ناسخ کی شاعری علم بیان، علم بدیع اور علم عروض[3] سے غذا حاصل کر کے صنائع و بدائع کا ایک ایسا علمی اور ادبی عجائب خانہ بنی ہوئی تھی جس میں پر تکلف صناعیوں کے انبار در انبار نمونے بہ بانگِ دہل دہلوی سادہ گوئی کے مقابلے میں علمِ بغاوت بلند کر رہے تھے۔ ناسخ کی نئی شاعری کی ان نادر صناعیوں کا دور دورہ اپنے دور میں دور دور تک ضرور تھا مگر یہ دیرپا نہ ثابت ہوا۔

---

[1] : دیکھیے: (۱) گل رعنا لکھنؤ: شرر، لکھنؤ طبع اگست ۱۹۷۴ء ص ۲۵ تا ۲۶

(۲) لکھنؤ کی تہذیبی میراث ص ۲۸۱۔

(۳) لکھنؤ کی زبان: محمد باقر شمس علوی۔ دہلی طبع ۱۹۶۹ء ص ۳۴ تا ۳۵

[2] : دیکھیے: (۱) انتخاب رشک: مرتبہ ڈاکٹر انصار اللہ۔ یو۔ پی اردو اکادمی۔ لکھنؤ طبع ۱۹۸۳ء ص ۱۱۔

(۲) جلال لکھنوی: ڈاکٹر محمد حسن۔ ص ۱۲۱ و بعد۔

[3] : ان علوم کی تفصیل کے لیے دیکھیے: ترجمۂ حدائق البلاغت: مترجمہ امام بخش صہبائی دہلی۔ طبع نولکشور لکھنؤ (سنہ اشاعت ندارد) ص ۳ تا ۶۲ برائے علم بیان، ص ۶۵ تا ۱۰۳ برائے علم بدیع نیز ص ۱۰۳ تا ۱۴۵ برائے علم عروض۔

معاصرین ناسخ ۔ مرزا رجب علی بیگ سرور کی نثر، مرزا دبیر کے مرثیوں اور دیا شنکر نسیم (تلمیذ آتش) کی "مثنوی گلزار نسیم" میں صنائع بدائع کا غالب حصہ ناسخ کے اثرات کا کس حد تک رہین منت ہے اس کا تجزیہ اور فیصلہ ناقدین کو آئندہ کرنا ہوگا۔ گارساں دتاسی کے مقالات کا ایک اقتباس ہے!" ۔ ۔ ۔ "انیس نے مرثیے میں آتش کا اور دبیر نے ناسخ کا عالمانہ و فلسفیانہ راستہ پکڑا۔۔۔"

("مقالات گارساں دتاسی (جلد دوم) کراچی طبع ۱۹۷۵ء ص ۴۵)

ناسخ نے اپنی وفات اگست ۱۸۳۸ء تک اردو شاعری کو علم بیان اور علم بدیع سے جس طرح مالا مال کر دیا تھا شاید یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ عربی و فارسی کے ان علوم سے اردو داں حلقوں کو بھی غیر معمولی دلچسپی پیدا ہوئی چنانچہ دہلی کے پرنسپل بوترس کی فرمائش پر صہبائی دہلوی نے شمس الدین فقیر کی کتاب حدائق البلاغت کا اردو ترجمہ وفات ناسخ ۱۸۳۸ء کے چار سال کے اندر ہی ۱۸۴۲ء میں کیا ("ترجمہ حدائق البلاغت ص ۲ تا ۳) صہبائی دہلوی نے اس کتاب میں بیش تر مثالیں دہلوی شعرا کے کلام سے ہی پیش کی ہیں لیکن اس سلسلے میں کلیات ناسخ ہی ایک اہم اور مفید ماخذ ثابت ہو سکتا تھا

ناسخ کو اردو کا اہم ترین تمثیل بند شاعر قرار دینا غلط نہ ہوگا۔ تمثیل بندی دراصل تشبیہ کی ہی ایک قسم ہے جس کی تعریف و تفصیل ترجمہ حدائق البلاغت ص ۳۲ پر دیکھی جا سکتی ہے۔

ناسخ کے یہاں صائب جیسی تمثیلوں کی اتنی کثرت ہے کہ ان کے کلام پر تنقید کرتے وقت اُن کی شاعری کے اس اہم پہلو کو نظر انداز کرنا ممکن

نہیں۔ کلامِ ناسخ تمثیلات کے باب میں صائبؔ[1] کے اثرات سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ صائبؔ کا حوالہ ناسخ کے یہاں صرف ایک شعر میں ملتا ہے۔ (ن I صفحہ ۴۸) تمثیلات بہ یک وقت ناسخ کی قوت بھی ہیں اور کم زوری بھی۔ تمثیل بندی کا رجحان اُن کی شاعری کو صنّاعی کا خوگر بنانے میں معاون ہوا۔ صنّاعی کی راہ سے آورد آتی گئی اور آمد کھوتی چلی گئی۔ تمثیل بندی کے ماتحت مضمون آفرینی اعتدال کے ساتھ ہو تو بُری نہیں۔ مگر یہ جب اعتدال کے حدود سے گزر کر افراط کی سرحدوں میں پہنچ جائے تو اس سے سادگی اور آمد کا خون ہونے لگتا ہے۔ ناسخ کے یہاں کہیں کہیں اسی عمل کی کارفرمائی محسوس ہوتی ہے۔ ناسخ کے کلام میں صنّاعی کے ہاتھوں سادگی کا خون ہوا ہے مگر اِس خون سے صنعتوں کی آبیاری ضرور ہوئی ہے۔ تمثیل، تشبیہ، استعارہ، حسن تعلیل، تلازمے، رعایت لفظی اور مبالغہ ناسخ کی کائنات شاعری کا وہ غالب سرمایہ ہیں جن سے کلیاتِ ناسخ کا شاید ہی کوئی صفحہ خالی ہو۔ اس ضمن میں بہ طور مثال ناسخ کے چند اشعار پیش ہیں۔ ؎

---

[1] میرزا محمد علی صائبؔ تبریزی ایران کے مشہور فارسی شاعر تھے۔ ایران کے شاہ عباس نے انھیں ملک الشعرا کے خطاب سے بھی سرفراز کیا تھا۔ صائبؔ اپنے عہدِ شباب میں بہ عہد جہاں گیر ہندستان آئے تھے۔ صائبؔ نے ۱۰۸۰ھ میں وفات پائی اور وہ اصفہان میں دفن ہوئے (دیکھیے: (۱) قاموس المشاہیر جلد دوم: نظامی بدایونی۔ بدایوں طبع ۱۹۲۶ء ص ۳۷ (۲) شمع انجمن: صدیق حسن خاں۔ طبع ۱۲۹۳ھ ص ۲۵۱ تا ۲۵۲)

جو دل ہی ہو گیا، کیا ہو شعر تر پیدا
ہوئے ہیں شاخِ شکستہ سے کب ثمر پیدا (ن I ۳۱)

نہیں ممکن کہ کلکِ فکر لکھے شعر سب اچھے
برستا ہے بہت نیساں گہر ہوتے ہیں کم پیدا (م ۷۶)

اُسی کو دیتے ہیں، ہوتے ہیں جس سے منتفع منعم
کہ بادل سے سمندر ہی میں بس گوہر برستے ہیں (م ۱۵۲)

ہو گئے دفن ہزاروں ہی گل اندام اس میں
اس لئے خاک سے ہوتے ہیں گلستاں پیدا[1] (م ۷۳)

کبھی ہے دھیان عارض کا، کبھی یادِ مژہ دل کو
کبھی ہیں خار پہلو میں، کبھی گلزار پہلو میں! (ن I ۵۵)

اشک تھم جائیں جو فرقت میں تو آہیں (نکلیں)
خشک ہو جائے جو پانی تو ہوا پیدا ہو[2] (م ۲۱۴)

---

[1] ناسخ کا یہ شعر اس دیوان اوّل میں ہے جو ۱۲۳۲ھ تک مرتب ہو چکا تھا ناسخ سے قبل یہ مضمون فارسی شاعر پیش کر چکے ہیں۔ یہ مضمون شوال ۱۲۶۸ھ میں کہی جانے والی غالب کی ایک غزل کے مندرجہ ذیل مطلعے میں بھی پیش ہوا ہے: ؎

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں — خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

(دیوان غالب اردو (نسخۂ عرشی) طبع ۱۹۸۲ء متن ص ۲۳۸) (بقیہ نوٹ ص ۳۲ پر)

حرفِ سخت اس نے کہے مجھ کو، لب رنگیں سے
جائے حیرت ہے، ہوئے لعل سے پتھر پیدا (م ۲۳)

اوج پر جو لوگ ہیں، ہوتا ہے جلد ان کا زوال
ہے ہوا تھوڑی سی بھی صرصر چراغِ بام کو (م ۲۱۰)

وادیٔ آرزو میں آتے رہی عدم کی راہ لی
ساتھ اپنے تو سنِ عمرِ رواں پیدا ہوا (ن I ۴)

سوالِ وصل پر بلنا پری رو، تیرے ابرو کا
اشارہ ہے برات عاشقاں بر شاخِ آہو، کا (ن I ۱۹)

ششدر سا رہ گیا ہوں دریا دیکھ کر
دیوار بن گیا ہوں میں دیوا دیکھ کر (م ۱۱۵)

(بقیہ نوٹ ص ۲۱ کا) سہ ناسخ کا یہ شعر اُن کے دوسرے دیوان تالیف ۱۲۴۷ھ ہے گویا یہ ۱۲۴۷ھ یا اُس سے قبل کا کلام ہے۔ اس مضمون کو غالب نے بھی اپنی ایک غزل میں یوں پیش کیا ہے سہ

ضعف سے گریہ مبدل بہ دمِ سرد ہوا باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا
(دیوانِ غالب نسخۂ عرشی متن ص ۱۷۸) اس مضمون کو پیش کرنے میں ناسخ و غالب میں سے کس کو کس پر تقدم حاصل ہے اس کا فیصلہ مزید تحقیق کا طالب ہے۔

غم سے دل پُر خوں ہے، قطرہ دیدۂ تر میں نہیں
بادۂ گلرنگ شیشے میں ہے ساغر میں نہیں (م ۱۹۷)

چمکنا برق کا لازم پڑا ہے ابرِ باراں میں
تصوّر چاہیئے رونے میں اُس کے روئے خنداں کا (م ۳)

کسی کا کب کوئی روزِ سیہ میں ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جُدا رہتا ہے انساں سے (م ۳۲۱)

قافلہ کیا کہ جرس کی بھی صدا دہشت سے
نہیں آتی مرے پُر ہول بیاباں میں کبھی (م ۲۸۸)

ناسخ کے یہاں واردات قلبی اور سچّے جذبے سے زیادہ تخئیل و طرزِ ادا پر زور ملتا ہے۔ ان کی تخلیقی صلاحیتیں زیادہ تر ہیئت یا اسلوب کو پُرشکوہ بنانے اور طرزِ ادا کو جدّت سے ہم کنار کرنے میں صرف ہوتی ہیں یہ روش غزل سے زیادہ قصیدے کے لئے موزوں ہوتی ہے۔ اسی لئے ناسخ کے یہاں کبھی کبھی غزلیں قصیدہ طور اور بے تاثیر ہوتی ہیں اور قافیہ پیمائی کے ذوق کے ماتحت ان کے یہاں متعدد طویل غزلیں بھی ہیں جو اُن کے کلیات میں دو غزلوں یا سہ غزلوں کی شکل میں ملتی ہیں۔ (دیکھیے م صفحات ۲۲۸ تا ۲۳۲ نیز ۲۷۸ تا ۲۸۲)

ہم نے زیرِ نظر انتخاب کی غزلیات نمبر ۴۱ نیز ۵۲ کے حواشی میں ناسخ کے بعض طویل سہ غزلوں کی نشان دہی کر دی ہے۔

کلامِ ناسخ میں مضمون آفرینی کہیں کہیں خیالی موشگافی معلوم ہوتی ہے۔ ناسخ کی خیالی دُنیا وسیع اور متنوع ضرور ہے لیکن، بہ قول پُروفیسر شبیہہ الحسن نوہروی، دشواری یہ ہے کہ ناسخ ..... "اپنے دامِ خیال میں خود ہی الجھ کر رہ گئے۔ خیال بہ ذاتِ خود کوئی بُری چیز نہیں ہے بہ شرطے کہ وہ کسی حقیقت کی طرف رہ نمائی کرے۔ جب خیال حقیقتوں کا تابع رہتا ہے تو صحت مند فنی اظہار کا بہترین ذریعہ قرار پاتا ہے لیکن جب حقیقتیں خیال کی تابع ہو جاتی ہیں یا خیال حقیقتوں کو پس پُشت ڈال کر بے نام و نشان وادیوں میں عنقا کے آشیانے تلاش کرنے لگتا ہے یا بحرِ ظلمات میں گھوڑے دوڑانے لگتا ہے تو طلسماتی تصویریں ابھرنے لگتی ہیں ..... "(ناسخ ص ۳۹۹) ناسخ کے یہاں سنبھلی ہوئی مضمون آفرینی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں: ؎

کاٹے کھاتا ہے گھر جُدائی میں
کامِ اژدر ہے در جُدائی میں (م ۱۶۱)

کیا ہوا سے کھل گیا دروازہ آج
کوچۂ جاناں میں رستہ بند ہے (م ۲۶۶)

اُڑتے پھرتے ہیں گریبانوں کے پُرزے قاصد!
کُچھ پتا اس سے زیادہ کوے دلبر کا نہیں (م ۱۶۳)

چاک کرنے کے لئے اے ناصح
ہم گریبان سیا کرتے ہیں (م ۱۹۷)

میں تو عُریاں، دستِ وحشت کو گریباں کی طلب
ہے زبانِ خارِ صحرا پر کہ دامن چاہیئے (م ۲۴۴)

بے سبب پیری میں، غافل، کم نظر آتا نہیں
توسنِ عمرِ رواں کا یہ غُبار آنکھوں میں ہے (ن I ۱۳۳)

جھولیاں لڑکوں کی یاد آتی ہیں اے دستِ جنوں
جب ہمیں دامنِ کہسار نظر آتا ہے (م ۲۴۰)

پوچھتا اشک اگر گوشۂ داماں ہوتا
چاک کرتا میں جنوں میں جو گریباں ہوتا (ن I ۲۰)

میرے ہاتھوں نے گریباں کے کئے تار پسند
میرے پاؤں نے بیاباں کے کئے خار پسند (ن II ۵۹)

تھوڑے سے کانٹے بیاباں میں بچھا دے اے جنوں
میرے پائے خواب آلودہ کو بستر چاہیئے (م ۲۶۰)

مانعِ صحرا نوردی، پاؤں کی ایذا نہیں
دل دُکھا دیتا ہے میرا، ٹوٹ جانا خار کا

(ن I ۲۴)

—

میں نہ فریادی بتوں کا ہوں خدا کے سامنے
آشنا کا کیا گلہ نا آشنا کے سامنے (م ۲۵۸)

کھلے دروازے ہر شب چین سے سوتے ہیں ہم جب سے
دیا ہے خانۂ ویراں کو عہدہ پاسبانی کا[1] (ن I ۳۱)

خواب ہی میں نظر آتا وہ شب بر کہیں
سو مجھے حسرت دیدار نے سونے نہ دیا[2] (ن I ۳۰)

دیکھنا کل آپ سے کوئی نہ رکھے گا قدم
آج جانے کی اجازت جس گلستاں میں نہیں (ن I ۷۳)

کلامِ ناسخ میں زبان کی صفائی، بندش کی چستی، سادگی اور موثر جذبات

---

[1] ناسخ کا یہ شعر ۱۲۳۲ھ یا اس سے قبل کا کلام ہے۔ کیوں کہ یہ دیوانِ اول تالیف ۱۲۳۲ھ میں شامل ہے۔ غالب نے ۱۲۶۸ھ سے ۱۲۷۱ھ تک کی درمیانی مدت میں کہی جانے والی ایک غزل میں ناسخ کے اس مضمون کو قدرے تصرف کے ساتھ یوں پیش کیا ہے:

نہ لٹتا دن کو، تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

(دیوان غالب اردو) نسخۂ عرشی ص ۲۵۱)

[2] اسی مضمون کو غالب نے بھی اپنی ایک قدیم غزل کے ایک شعر میں یوں پیش کیا ہے: "وہ آکے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے وہ لے مجھے تپشِ دل مجالِ خواب تو دے

(دیوانِ غالب اردو (نسخۂ عرشی) ص ۲۹۰)

نگاری کی مثالیں بھی تلاش کرنے پر مل ضرور جاتی ہیں لیکن اس میدان میں آتش اُن سے آگے رہتے ہیں۔ ناسخ و آتش کے کلام کا موازنہ کرتے ہوئے غالب نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے!.....

"ناسخ کے ہاں کم تر اور آتش کے ہاں بیش تر یہ تیز نشتر ہیں....."[1]

ناسخ کے یہاں موثر جذبات نگاری کے نمونے کم ضرور ہیں مگر اتنے کم بھی نہیں کہ اُن کی تعداد گیارہ بتائی جائے جیسا کہ نیاز فتح پوری نے ناسخ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"لکھنؤ کا مشہور ترین شاعر جس نے عمر بھر میں صرف گیارہ شعر لکھے"۔ (بہ حوالۂ ناسخ ص ۳۴۷)

پروفیسر عندلیب شادانی ایک مقالے میں ناسخ کے درجنوں اچھے اور جذباتی اشعار پیش کر کے نیاز فتح پوری کے قول کی نفی کر چکے ہیں۔ (تحقیق کی روشنی میں ص ۲۹۱ تا ۳۱۵) اس سلسلے میں کلامِ ناسخ سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں!

(۱)

دل کو پوچھا جو میں نے وہ بولے
"کہیں ہوگا مری بلا جانے" (م ۲۹۵)

(۲)

راز اپنے کھل گئے خط کی طرح
مل گئے غیروں سے اکثر نامہ بر (م ۱۱۲)

---

[1] اردوئے معلّیٰ (حصہ اوّل): غالب۔ اکمل المطابع دہلی طبع اوّل مطبوعہ ۶ مارچ ۱۸۶۹ء ص ۱۵۰۔ نیز دیکھیے "عود ہندی": غالب طبع اوّل ص ۴۶۔

(۳)

گلہ اپنا ہے باوفا کیوں ہو!
شکوہ اے بے وفا نہیں تجھ سے (م ۳۳۹)

(۴)

آپ میں آئیں، جائیں یار کے پاس
کب سے ہے ہم کو انتظار اپنا (م ۱۹)

(۵)

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے وے
آج آتی شبِ فرقت میں تو احساں ہوتا (ل ۲۱۱)

(۶)

اے بتو، ہوتی اگر مہر و محبت تم میں
کوئی کافر بھی نہ واللہ مسلماں ہوتا (〃)

(۷)

بتوں سے محبت نہیں مجھ کو از خود
کہ ہوتا ہے وہ، جو خدا چاہتا ہے (م ۲۸۷)

(۸)

کس طرح پاؤں خبر میں کوئے جاناں دور ہے
نکہت گل آ نہیں سکتی، گلستاں دور ہے (م ۲۹۰)

(۹)

پھر بہار آئی، نکلئے گھر سے دامن جھاڑ کر
سوئے صحرائے جنوں چلئے گریباں پھاڑ کر (م ۱۱۴)

(۱۰)

ہے عجب رنگ کی وحشت ترے دیوانے میں
جی نہ آبادی میں لگتا ہے نہ ویرانے میں (ن I ۵۱)

(۱۱)

میرے ہاتھوں نے گریباں کے کیے تار پسند
میرے پاؤں نے بیاباں کے کیے خار پسند (ن II ۵۹)

(۱۲)

جنوں پسند مجھے چھاؤں ہے ببولوں کی
عجب بہار ہے ان زرد زرد پھولوں کی (م ۲۷۸)

(۱۳)

یہ زمیں ہے بے وفا، یہ آسماں بے مہر ہے
جی میں ہے اک اب نیا عالم کریں ایجاد ہم (م ۱۲۸)

(۱۴)

میں خوب سمجھتا ہوں، مگر دل سے ہوں ناچار
اے ناصحو! بے فائدہ سمجھاتے ہو مجھ کو (م ۲۱۱)

(۱۵)

وہ نہیں، بھولتا جہاں جاؤں
ہائے میں کیا کروں، کہاں جاؤں (م ۱۶۶)

(۱۶)

پوچھتا اتنک، اگر گوشۂ داماں ہوتا
چاک کرتا میں جنوں میں، جو گریباں ہوتا (ن. I ۲۰)

(۱۷)

دل اک بُت پہ شیدا ہوا چاہتا ہے
خُدا جانے اب کیا ہوا چاہتا ہے (ن II ۱۶۴)

(۱۸)

لاکھوں ہی نام در ہوئے دُنیا میں بے نشاں
اک گور میں ہیں کتنے سکندر بھرے ہوئے (ن II ۱۶۹)

(۱۹)

دل ہی اس کا جانتا ہے جس پہ گزرا ہے یہ حال
عشق کا صدمہ زبانوں سے بیاں ہوتا نہیں (ن I ۵۹)

(۲۰)

تجھ سے، انصاف تو کر چھٹ نہ سکا ایک رقیب
میں نے کیوں کر تری الفت میں زمانہ چھوڑا (گلشن بے خار ص ۲۲۳)

(۲۱)

خود بہ خود جی مرا اُداس نہیں
دل لگی جس سے تھی وہ پاس نہیں (ن II ۱۰۳)

—

ادب میں کائنات کے ساتھ ذات کی ترجمانی کی بھی گنجائش ہوتی ہے چنانچہ ناسخ کی شاعری کو کہیں کہیں ان کی حیات اور شخصیت کے بعض پہلوؤں نے بھی متاثر کیا ہے۔ کلامِ ناسخ میں ان کی حیات اور شخصیت کے اثرات کو تلاش کرنا دل چسپی سے خالی نہ ہوگا۔

مذہب کی تبدیلی ناسخ کے صحیفۂ حیات کا ایک اہم واقعہ ہے۔

جس سے ان کی نجی زندگی کے ساتھ ساتھ ادبی زندگی بھی متاثر ہوئی۔
رشید حسن خان کو ناسخ کی ایک غیر متداول مثنوی "معراج نامہ" کا
جو ناقص الاوّل قلمی نسخہ ملا ہے۔ اُس میں ناسخ کے ابتدائی اور آبائی
سنّی مذہب کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ مگر ناسخ نے مذہب کی تبدیلی کے
بعد اپنی دوسری مثنویوں میں شیعی معتقدات پیش کئے ہیں۔[1]
مثنویوں کے علاوہ ناسخ کے تبدیل شدہ مذہب کے اثرات ان
کی غزلوں میں بھی ملتے ہیں۔ چنانچہ آزاد نے آبِ حیات (ص ۳۶۲)
میں ناسخ کی اس روش پر ٹوکا بھی ہے۔ ناسخ کی غزلوں میں رسول
مقبولؐ، پنجتن یا ائمہ کے توسل سے طلبِ نجات کا رجحان عہدِ ناسخ
کے لکھنوی شعرا اور لکھنوی شاعری کا مرغوب انداز بن گیا۔ جس کی جانب
ڈاکٹر عندلیب شادانی نے بھی اشارہ کیا ہے ("تحقیق کی روشنی
میں ص ۲۸۹)۔ ناسخ کے مذہبی عقائد کے ذکر پر مشتمل درجنوں اشعار انکے
تینوں دواوین میں مل جاتے ہیں۔ ناسخ کے تیسرے دیوان میں ۱۲۴۸ھ سے
۱۲۵۴ھ تک کا کلام ہے۔ اس زمانے میں نصیر الدین حیدر اور محمد علی شاہ
کی حکومت تھی۔[2] تیسرے دیوان میں رسولِ اسلام اور ائمہ معصومین کی ولادتوں کی

---

[1] دیکھیے: (۱) رسالہ اردو کراچی ماہ جولائی ۱۹۶۸ء ص ۹۸ (۲) ناسخ ص
ص ۲۲۶ تا ۲۵۹ (۳) معاصر پٹنہ حصہ ۲۔ ص ۹۳ تا ۹۷ (مقالہ قاضی عبدالودود)
(۴) اردو مثنوی شمالی ہند میں: ڈاکٹر گیان چند جین۔ علی گڑھ طبع ۱۹۶۹ء۔
ص ۴۳۰ تا ۴۳۳۔

[2] اودھ میں نصیر الدین حیدر کا دورِ حکومت ۲۷ ربیع الاوّل (بقیہ نوٹ پر ص ۴۲)

تاریخوں کے موقعے پر کہی ہوئی ناسخ کی متعدد قصیدہ نما غزلیں ملتی ہیں (م ص ۵۴، ۵۸ تا ۶۱ - ن II صفحات ۳۲ تا ۳۶) اور ایسی ہی منظومات نصیر الدین حیدر کے مجموعۂ کلام میں بھی موجود ہیں[1] ناسخ کے تینوں دواوین میں مذہبی نوعیت کے درجنوں اشعار ناسخ کی تبدیلی مذہب کے واقعے کی یادگار ہیں۔ ہم نے ناسخ پر اپنے ایک مقالے میں ان کے تینوں دواوین سے متعدد مذہبی نوعیت کے اشعار پیش کیے ہیں جن کی اس مقدمے کے محدود صفحات میں گنجائش نہیں (زیر نظر انتخاب کی غزلیات نمبر ۱، نمبر ۴ نیز نمبر ۶ ملاحظہ ہوں)

مذہبی معتقدات کے ساتھ غزلیاتِ ناسخ میں اخلاقی مضامین کی مقدار بھی کم نہیں ہے۔ یہ کہیں تو تمثیل کے پیرائے میں آئے ہیں اور کبھی براہ راست

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱ کا) ۱۲۴۳ھ (مطابق شنبہ ۲۰ر اکتوبر ۱۸۲۷ء) سے ۳ر ربیع الآخر ۱۲۵۰ھ (مطابق جمعہ ۷ر جولائی ۱۸۳۷ء) تک جاری رہا تھا اور محمد علی شاہ ربیع الآخر ۱۲۵۰ھ (مطابق ۷ر جولائی ۱۸۳۷ء) سے ۴ر ربیع الآخر ۱۲۵۸ھ (مطابق دوشنبہ ۱۶ر مئی ۱۸۴۲ء) تک اودھ کے حکمراں رہے تھے۔ یہ تاریخیں فسانۂ عبرت: رجب علی بیگ سرور ص ۹، ۱۷ نیز ۵۵ کے اندراجات پر مبنی ہیں۔ ڈاکٹر شعیب راہی کے پی۔ ایچ ڈی کے لئے خواجہ حیدر علی آتش لکھنوی ص ۲۲ میں محمد علی شاہ کی تخت نشینی کی تاریخ ۳ر ربیع الآخر ۱۲۵۳ھ کو ۸ر جولائی ۱۸۳۶ء کے مطابق قیاس کیا گیا ہے جو خلاف قدیم ہے۔ ڈاکٹر شعیب راہی نے محمد علی شاہ کی تاریخِ وفات ۵ر ربیع الآخر ۱۲۵۸ھ درج کی ہے اور اسے ۶ر مئی ۱۸۴۱ء کے مطابق قرار دیا گیا ہے۔ موصوف کا یہ اندراج بھی نظرِ ثانی کا محتاج ہے۔ سہ کلامِ نصیر الدین حیدر بادشاہ: مرتبہ ڈاکٹر شاہ عبدالسلام۔ نامی پریس لکھنؤ طبع جنوری ۱۹۸۳ء متن ص ۱ تا ۱۳۔

پیش ہوئے ہیں۔ مثلاً : ؎

دیکھتے تھے کل جنھیں آنکھوں سے ہم اے غافلو!
آج ان کا اپنے کانوں کے لئے افسانہ ہے (ن I 99)

تار ہیں سجدۂ معبود میں ناسخ مصروف
سر سے اس واسطے ہوتے ہیں سب انساں پیدا (م 75)

خاکساروں سے ملا کرتے ہیں جھک کر سربلند
آسماں زیر زمیں بہر تواضع خم ہوا (م 17)

ملتا نہیں زمین پہ اُن کا نشاں کہیں
تا آسمان دیکھے ہیں جن کے مکاں بلند (ن II 60)

حشر تک زیرِ زمیں، دو روز بالائے زمیں
جز لحد دُنیا میں کچھ تعمیر کی حاجت نہیں (م 144)

خاک سے کیوں ہے اجتناب ایسا
ایک دن غیرِ خاک، خاک، نہیں (م 147)

لاکھوں ہی نام ور ہوئے دُنیا میں بے نشاں
اک گور میں ہیں کتنے سکندر بھرے ہوئے (م 297)

شہرِ دم میں ہوتے ہیں آباد جن کے حکم سے
ایک دن اُن کے لئے بھی گوشۂ ویرانہ ہے (ن ۱۰۹۹)

ناسخ کے ایسے ہی اشعار کو دیکھ کر مولانا امداد امام اثر نے کلام ناسخ کو غیر اخلاقی عناصر نیز فسق و فجور اور کوچہ گردی کے اشعار سے یک سر خالی قرار دیا ہے[1] مگر ناسخ کے تینوں دواوین سے منقول مندرجہ ذیل اشعار مولانا امداد امام اثر کے قول کی نفی کر رہے ہیں: ؎

دیوانِ اوّل

آیا مہِ صیام، علی الرغم محتسب!
روزے، شراب سے سر بازار توڑیئے (ن ۱۱۵)

لب ساقی کے بوسوں کی گزک ہو گر نہ اے ناسخ
شرابِ زندگی میں ہے مزا زہرِ ہلاہل کا (م ۶۹)

چھوتا ہے چھاتیاں عبث اُس بحرِ حسن کی
ناسخ ستم ہے ہاتھ لگانا حباب کو (ن ۹۰)

عین کعبے میں بھی مے خانہ گریباں گیر ہے
داغِ مے ناسخ ہیں اپنے جامۂ احرام میں (م ۱۷۲)

---

[1] کاشف الحقائق: امداد امام اثر۔ دہلی طبع ۱۹۸۲ء ص ۴۵۲)

فراقِ یار میں نفرت ہے مجھ کو بادخواری سے
کہیں زاہد نہ کردے مُتّہم پرہیزگاری سے (ن ۱۱۱)

زور ہے گرمیٔ بازار ترے کوچے میں
جمع ہیں تیرے خریدار ترے کوچے میں (م ۱۳۳)

کعبہ ہے ویران، مے خانے میں مستوں کا خروش
کون ویرانے کو جائے خانۂ آباد سے (ن ۱۲۵)

دیوانِ دُوم

رحمتِ حق ہے سبب میری گنہگاری کا
ابر کرتا ہے اشارہ مجھے مے خواری کا (م ۱۱)

مُردے جی اٹھے، جوں ہی طاق سے مینا اُترا
رند کہنے لگے کعبے سے مسیحا اُترا (ن ۱۳)

رہن رکھوا کر ترا عمامہ دلوا دوں شراب
زاہدا، تجھ کو کروں مرہونِ احساں تو سہی[1] (ن ۱۷۲)

---

[1] ناسخ کے اس شعر کو غالب نے اپنے ایک خط بہ نام قدر بلگرامی میں بھی نقل کیا ہے۔
(اردوئے معلّیٰ (حصہ سوم): مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل۔ لاہور طبع ۱۹۷۰ء ص ۱۰۳۸)

کر رہا ہے تمھارے سینے کا
دیدۂ ناف سے نظارا پیٹ (ن ۴۸)

دیوانِ سوم

جز مشتِ خاک اور نہیں ملک مے کشو!
زخمِ دہانِ واعظِ مکّار کا علاج (ن ۵۱)

یا الٰہی ہو بہم عیش و معاش
ساتھ زر کے کوئی سیم اندام بھیج (ن ۵۱)

نہا رہے ہیں وہ غیروں کے ساتھ گنگا میں
نہائیں ہم بھی نہ کیوں آنسوؤں کے دریا میں (ن ۱۱۲)

آبِ حیات (ص ۳۵۵، ۳۶۳ نیز ۳۶۴) میں آزاد نے ناسخ کے جو متعدد لطیفے لکھے ہیں اُن سے ناسخ کے مزاج میں طنز و ظرافت اور زندہ دلی کے رجحان کا اندازہ ہوتا ہے۔ ناسخ کی شخصیت کا یہ ہلکا سا ظریفانہ پہلو کہیں کہیں اُن کے کلام میں بھی اُبھرا ہے۔ طنز و ظرافت سوداؔ، انشاؔ و نظیرؔ کے کلام میں بھی ہے اور ناسخ کے یہاں طنز و مزاح کا یہ ہلکا سا رنگ شاید کلامِ سوداؔ کے اثرات کا نتیجہ ہو[1] جس سے

---

[1] دیکھیے! (۱) مرزا محمد رفیع سوداؔ: ڈاکٹر خلیق انجم۔ علی گڈھ طبع اوّل ص ۱۷۱۔
(۲) سوداؔ: شیخ چاند۔ لکھنؤ طبع فروری ۱۹۷۲ء ص ۳۸۹

ناسخ کو شغف تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ناسخ نے سودا کو اپنی غزلوں کے کم از کم نصف درجن اشعار میں یاد کیا ہے اور سودا کی زمینوں میں کئی غزلیں بھی لکھیں ہیں۔ (دیکھیے دیوانِ اوّل صفحات ۲۲ تا ۲۳، ۱۲۹، ۳۱۲، ۳۱۳، دیوانِ دوم ص ۱۵، ۴۷)

ناسخ اپنے کلام کے اس پہلو کے سلسلے میں سودا کی زندہ دلی سے کس حد تک متاثر ہوئے تھے۔ اس پر مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔ زندہ دلی کے متعلق ناسخ کا یہ شعر بھی ملحوظ رہے: ؎

زندگی، زندہ دلی کا ہے نام
مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں (ن ۱۷۵)

کلامِ ناسخ میں زندہ دلی اور طنز و ظرافت کے باب میں جو خال خال اشعار ملتے ہیں اُن میں سے بعض درجِ ذیل ہیں: ؎

(۱)

بس یہی تدبیر اب اُن کے بھگا دینے کی ہے
جی میں ہے ہو جاؤں عاشق چند روز اغیار پر (م ۱۱۵)

(۲)

کیا ہی منھ کرتا ہے ٹیڑھا، دیکھتا ہے جب مجھے
کر دے یارب روئے دشمن لقوے کا آزار کج (م ۸۶)

(۳)

ہیں کجی میں مُردم کج طبع بھی کُتّے کی دُم
راست ان کو کیجیے سو بار ہوں سو بار کج (م ۸۰)

(۴)

ہیضہ دشمن کو کوس رحلت ہو
جلد ہو پھول کر نقارا پیٹ (ن II ۴۸)

(۵)

نامہ بر یاروں کو پہنچاتا نہیں
بکتے ہیں میرے سر بازار ؎ (م ۱۳۱)

(۶)

جب میں روتا ہوں تو کیا کہتا ہے وہ شیریں ادا
مثلِ شیریں مجھ کو جوئے شیر کی حاجت نہیں (م ۱۴۴)

(۷)

جب میں کہتا ہوں کہ میرے وصل سے جاگیں گے بخت
ہنس کے کہتا ہے وہ از راہِ ظرافت: "خواب میں" (م ۱۴۹)

(۸)

ہاتھ اس کے چوم لیتا ہوں تو کیا کہتا ہے وہ
ہیں لکیریں، یا کوئی لکھی ہے آیت ہاتھ میں (م ۱۴۹)

(۹)

ہے دستِ دراز اپنا جنوں، دور رہو ناصح
آجائے گی سر سے ابھی دستار گلے میں (م ۱۵۱)

(۱۰)

پیر صاحب، نہ خفا ہوں تو ابھی ہاتھوں ہاتھ
تا سرِ پیرِ مغاں آپ کی دستار چلے (م ۲۶۱)

---

(۱۱)

رات کو چوری چھپے پہنچا جو میں
غل مچایا اس نے: "دوڑو! چور ہے" (م ۲۶۵)

(۱۲)

ترک کرواتا ہے عشقِ سادہ رُو
زاہدِ بے دیں بھی کتنا سادہ ہے (م ۲۶۴)

(۱۳)

"نہیں" سے باز تم آؤ، نہیں تو ہم بھی نہیں
نہیں ہے خوب یہ ہر دم "نہیں نہیں" دیکھو (م ۲۰۵)

(۱۴)

گرچہ اے جان نہیں تیری کوئی بات بُری
پر مری بات نہ مانی، ہے یہی بات بُری (م ۳۳۸)

(۱۵)

اگر جان جاؤں تو بھڑکاؤں اس کو
جسے وہ بُتِ بے وفا چاہتا ہے (ن II ۱۶۴)

(۱۶)

آوارہ یوں ہوا دہوس میں ہیں پیر جی
جس طرح اُڑتی پھرتی ہے بڑھیا مدار کی (م ۲۷۰)

(۱۷)

کیا ہی وہ دُشمنِ قاصد ہے کہ دہشت ہے مجھے
نہ کہیں منکرِ جبریل و پیمبر ہو جائے (م ۲۶۷)

(۱۸)

دشتِ غُربت میں ہوا ایسا حقیر
ہے جو، روبہ، میرے حق میں شیر ہے (م ۲۵۱)

(۱۹)

سفلوں سے پوچھتا ہوں غربت میں
"کہیے کیسا مزاجِ عالی ہے" (م ۲۸۳)

(۲۰)

میرے اشعار میں لاحول کی تاثیر ہے کیا
یار سے سنتے ہی کر جاتے ہیں اغیار گریز (ن II ۷۱)

(۲۱)

رُباعی

ہر ایک نے تجھ سے قاصدا پایا خط
لیکن نہ کبھی میرے لیے لایا خط
کب تک کروں انتظارِ خطِّ جاناں
جو طفل تھے ان کا بھی نکل آیا خط (ن II ۱۹۶)

(۲۲)

ہو رنج مرے دل کو ویا ہو آرام
جُز ذکرِ خدا نہیں مجھ کو کچھ کام
فاقوں سے تباہ میری حالت ہے مگر
آنیتیں پڑھتی ہیں "قُل ہو اللہ" مدام (ن II ۱۹۸)

رُباعی

ہے سخت حرام زادہ گھڑیالی شاہ
شکر، خدا نے منہہ کیا اس کا سیاہ
گھڑیال بجاتا تھا یہ صندے ہر دم
جس رات مرے گھر میں وہ تھا غیرتِ ماہ

(۲۴)

قطعہ

بھور ایسا مصیبت زا ہے قصبہ
کہ اس میں دم بدم کہتا ہوں اوائے
نظر آتا ہے ہر سو، شیو کا لنگ
میں مومن ہوں، بتنگ آیا ہوں اے وائے[1]

---

[1] نمبر ۲۳ پر مندرج رباعی اور نمبر ۲۴ پر درج ہونے والا قطعہ ناسخ کے اُس غیر متداول کلام سے منقول ہے جو پروفیسر گیان چند جین کی کتاب "ذکر و فکر" طبع ۱۹۸۰ء میں شامل ہے۔ "ذکر و فکر" ص ۱۵۶ تا ۱۵۷ میں پروفیسر گیان چند نے ناسخ کی مندرجہ ذیل رباعی کو بھی غیر مطبوعہ بتایا ہے: ؎

کیا ضعف میں خط لکھا ہے اے بادِ مراد — اللہ نہ کرنا مری محنت برباد
نامے کو جو لے ہاتھ میں وہ زنگ پری — ہو مہر مری مُہر سلیماں سے زیاد

ڈاکٹر گیان چند نے ناسخ کی اس رباعی کو غیر مطبوعہ قرار دیا ہے مگر موصوف کا یہ قول میرے نزدیک قابلِ قبول نہیں کیوں کہ یہ رباعی کلیاتِ ناسخ طبع ۱۲۷۹ھ دیوان دوم ص ۱۹۸ میں پہلے ہی چھپ چکی تھی۔

(۲۵)

قطعۂ تاریخ :

جب میر گھسیٹا مر گئے ہائے
ہر ایک نے اپنے منھ کو پیٹا
ہاتف نے کہی یہ اس کی تاریخ
افسوس کہ موت نے گھسیٹا[1] (ن II ورق آخر)

(۲۶)

ہے یہ میرے دلِ صد چاک سے وحشت اس کو
شانہ کرتا نہیں وہ زلفِ پریشاں میں کبھی (م ۲۸۸)

(۲۷)

شوق پتھر کھانے کا ایسا ہے مجھ دیوانے کو
چھٹیاں لڑکوں کو دلواتا ہوں روز اُستاد سے (ن I ۱۲۵)

بے وطنی اور مسافرت بھی ناسخ کے صحیفۂ حیات کا ایک الم ناک باب ہے۔ جس کے اثرات بیش تر ان کے دوسرے اور کم تر تیسرے دیوان کی متعدد غزلوں میں محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ بے وطنی اور مسافرت کے ذکر پر مشتمل ناسخ کے درجنوں اشعار بتاتے ہیں کہ لکھنؤ سے چھوٹ کر ناسخ کے قلب و ذہن کی داخلی دنیا میں وطن کی یادوں نے کرب و اضطراب

---

[1] کلیات میں مصرعۂ آخر سے ۱۲۳۵ھ برآمد کیا گیا ہے۔ حالانکہ ۱۲۳۴ھ آتا ہے۔

کا کیسا ہیجان و طوفان برپا کر رکھا تھا۔ یہ تمام اشعار اسی طوفان کی وہ پُرزور موجیں ہیں جو اُن کے دل سے اُٹھ کر اُن کے دواوین پر اپنے گہرے نقوش چھوڑ گئی ہیں۔ کسی شاعر کے کلام کو اس کے واقعاتِ زندگی کس حد تک متاثر کرتے ہیں۔ یہ اشعار اسی حقیقت کے آئینہ دار ہیں! ؎

دیوانِ دوم

آج مجھ کو دشتِ وحشت میں وطن یاد آگیا
بُوئے گل کو بعدِ بربادی چمن یاد آگیا

ناسخ وطن میں دیکھئے، دیکھیں گے گھر کو کب
غربت میں مدّتوں سے ہے اپنا مکاں سرا

اتنی مدّت سے ہوں میں وادیِ وحشت میں خراب
کہ وطن جاؤں تو پاؤں نہ کبھی گھر اپنا

دشت سے کب وطن کو پہنچوں گا
کہ چھٹا سال اب تو آپہنچا

ہوش میں آتا ہے انساں مرگِ انساں دیکھ کر
یاد آتا ہے وطن گورِ غریباں دیکھ کر

جو میں افلاس میں نکلا سفر کو
برائے راہ زن کچھ لے لیا قرض

ارمغاں لے جاؤں ناسخ سوئے گلزار وطن
چن لیے ہیں خار ہائے دشتِ غربت ہاتھ میں

داغِ فرقت سے میں غربت میں جلا جاتا ہوں
راست کہتے ہیں، سفر کو جو سقر کہتے ہیں

مدتوں سے ہوں، جانتا ہوں وطن
دشت غربت میں، میں غریب نہیں

میں حزیں آوارۂ غربت جو، ہوں
ان دنوں بیت الحزن ہے لکھنؤ

بے قراری دشت غربت میں ہمارے ساتھ ہے
چھوڑ آئے کوچۂ جاناں میں ہم آرام کو

دیوانِ سوم

گرچہ غربت ہے، تصور میں مگر ہمدم ہیں پاس
میری تنہائی بھی مجھ کو انجمن سے کم نہیں

جو چشم اہل وطن میں نہ ٹھہرے کیا غم ہے
ہماری خاک سے روشن ہیں آنکھیں غولوں کی

ہم رُوتے روتے کور ہوئے تب وطن گئے
نرگس کے پھول بن کے گلِ یاسمن گئے

ناسخ عمر بھر اہل وعیال کے جنجال سے آزاد رہے اور انھوں نے اپنے لیے تجرّد کی زندگی پسند کی تھی۔ ناسخ کا یہ شعر اُن کی زندگی کے اسی پہلو کا ترجمان ہے: ؎

قلزمِ دہر میں رکھتا ہے تجرّد محفوظ
غرق کم ہوتا ہے دریا میں سفینا خالی (م ۲۷۰)

احباب و تلامذہ کی بھیڑ بھاڑ کے باوجود اہل وعیال کی عدم موجودگی ناسخ کی زندگی میں جن تنہائیوں کا سبب بنی رہی ہوگی اس کا اظہار ناسخ کے بعض اشعار میں بھی ہوا ہے۔ ناسخ کے یہاں ویرانی صحرا، دشتِ جنوں اور بیابانوں کا بہ تکرار ذکر شاید اُن کی صحرا اور دشت و بیاباں کی طرح ویران و تنہا زندگی کا غمّاز ہے۔ اس سلسلے میں ناسخ کے مندرجہ ذیل اشعار خاص طور پر قابل غور ہیں: ؎

پھر بہار آئی، نکلیے گھر سے دامن جھاڑ کر
سوئے صحرائے جنوں چلیے گریباں پھاڑ کر (م ۱۱۴)

جنوں پسند مجھے چھاؤں ہے ببولوں کی
عجب بہار ہے اِن زرد زرد پھولوں کی (م ۲۷۸)

کسی سے دل نہ اس وحشت سرا میں، میں نے اٹکایا
نہ الجھا خار سے دامن کبھی میرے بیاباں کا (ن. I. ۳)

دوش پر ریگِ بیاباں کے جنازہ ہے مرا
شہر میں کیوں سببِ داغِ عزیزاں ہوتا
(ریاض الفصحا ص ۳۳۷)

ہے بسانِ شمعِ روشن، ہر چراغِ چشم غول
ہو چکا ہے بارہا آباد، جو ویرانہ ہے (ن I ۹۹)

نہیں ممکن کہ کوئی خارِ تعلّق چبھ جائے (ن II ۲۰)
اپنے دامن کو سمیٹے ہے بیاباں اپنا

تھوڑے سے کانٹے بیاباں میں بچھا دے اے جنوں
میرے پائے خواب آلودہ کو بستر چاہیئے (م ۲۶۰)

میں تو عریاں، دستِ وحشت کو گریباں کی طلب
ہے زبانِ خارِ صحرا پر کہ دامن چاہیئے (م ۲۴۴)

میرے ہاتھوں نے گریباں کے کیے تار پسند
میرے پاؤں نے بیاباں کے کئے خار پسند (ن II ۵۹)

پونچھتا اشک، اگر گوشۂ داماں ہوتا
چاک کرتا میں جنوں میں جو گریباں ہوتا (ن I ۲۰)

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے دلے
آج آتی شبِ فرقت میں تو احسان ہوتا (ن I ۲۱)

قافلہ کیا کہ جرس کی بھی صدا دہشت سے
نہیں آتی مرے پر ہول بیاباں میں کبھی (م ۲۸۸)

یہ اشعار ناسخ کی زندگی میں جن ویرانیوں اور تنہائیوں کا پتا دیتے ہیں وہ شاید ان کی تجرّد کی زندگی کا نتیجہ تھیں۔

ناسخ شاید تجرّد کی زندگی کے باعث ہی سچے عاشق سے زیادہ خیالی عاشق معلوم ہوتے ہیں۔ اُن کے یہاں عشقیہ شاعری دبی دبی محسوس ہوتی ہے۔ عشقیہ شاعری دلی جذبات کا مظہر ہوتی ہے۔ مگر ناسخ دل سے زیادہ دماغ کی شاعری کے دلدادہ نظر آتے ہیں۔ کاروبارِ محبت میں ناسخ کی عدم دلچسپی نے ہی نے شاید انھیں غزل کے دائرے میں توسیع کرنے پر اکسایا اور ناسخ نے غزل میں روایتی عشقیہ مضامین کے علاوہ، دوسرے اور بھی بہت سے موضوعات کا اضافہ کیا۔ غزل کی یہ توسیع ناسخ کی نئی لکھنوی شاعری کا ایک اہم پہلو ہے۔ ناسخ کی قائم کردہ یہ روایت اردو شاعری میں خود ناسخ کے عہد میں غالبؔ کے ذریعے آگے بڑھی اور عہدِ ناسخ کے بعد بھی متعدد غزل گو شاعروں نے غزل کے دائرے میں خوشگوار وسعتیں پیدا کی ہیں۔

ناسخ نے اصلاحِ زبان کا اہم کام بھی سرانجام دیا۔ (ناسخ ص ۲۷۴ تا ۲۸۴)۔

رشید حسن خاں، ناسخ کے لسانی اصلاحات کے قائل نہیں لیکن اس تاریخی حقیقت سے وہ بھی متفق ہیں کہ اصلاحِ زبان کے میدان میں ناسخ کے شاگردوں (رشک، نادر و تجر[1]) نے ضرور اہم کام کئے ہیں (انتخابِ ناسخ مرتبہ رشید حسن خاں ص ۶۸ تا ۱۱۴)۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ تلامذۂ ناسخ نے اصلاحِ زبان قواعد

---

[1] ناسخ کے ان تینوں شاگردوں نے ادبی اور لسانی اصلاحوں کے میدان میں قابلِ ذکر خدمتیں سرانجام دی ہیں۔ میر علی اوسط رشک نے اپنے اُستاد ناسخ کے بتائے اور بنائے ہوئے اصولِ شاعری کو ادبی حلقوں سے، روشناس کرایا اور اس سلسلے میں ناسخ کے ناتمام کام کو انجام تک پہنچایا۔ رشک نے اصلاحِ زبان، لغت نویسی اور قواعدِ شاعری کے میدان میں بڑا نام پیدا کیا۔ رشک کے فرزند حکیم سید علی ضامن شوق نے بھی علم عروض، علم قافیہ اور قواعدِ تاریخ گوئی پر ایک رسالہ ریاض العروض لکھا تھا۔ ۱۴ صفحات پر مشتمل شوق کا یہ رسالہ مورخہ ۸ رجب ۱۲۷۹ھ کو مطبع علوی لکھنؤ سے شائع ہوا تھا اور یہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔ ناسخ کے شاگرد کلب حسین نادر کی کتاب تلخیصِ معلیٰ بھی اس سلسلے میں اہم شے ہے۔ جسے ڈاکٹر انصار اللہ نے دوبارہ شائع کرایا ہے۔ ناسخ کے شاگرد شیخ امداد علی بحر کا رسالہ بحر البیان بھی اسی ضمن میں آتا ہے جسے رشید حسن خاں شائع کرا چکے ہیں۔

زبان اور قواعد: رشید حسن خاں دہلی طبع اگست ۱۹۷۶ء ص ۴۳۹ تا ۵۰۳۔

رشک کے حالات و اصلاحات کے لئے دیکھئے لکھنؤ کے چند نام ور شعرا ص ۱۱۸ تا ۱۳۷

شاعری، متروکات اور تذکیر و تانیث کے باب میں جو کام سرانجام دیے۔ ان میں نہ صرف ناسخ کی تربیت شامل تھی۔ بلکہ یہ تمام کام اس لکھنؤ کی ادبی فضا کے زیرِ سایہ ہوئے تھے۔ جس کو ایک مستند ادبی مرکز بنانے کے کارنامے کا فخر ناسخ ہی کو حاصل تھا۔ کسی شہر میں ادبی اور لسانی اصلاحوں کی تحریکیں اسی وقت جنم لیتی ہیں جب وہ شہر ایک مستند ادبی مرکز تسلیم کیا جانے لگے۔ ناسخ کی ادبی خدمات کی بنیاد پر لکھنؤ اگر ایک مستند ادبی مرکز نہ بنتا تو یہ شہر لسانی اور ادبی اصلاحات کی تحریکوں سے بھی یقیناً محروم رہتا۔ لہٰذا لکھنؤ کے ادبی مرکز کے زیرِ سایہ جنم لینے والی لسانی اور ادبی تحریکوں میں ناسخ کے اثرات سے انکار کرنا دن میں چمکتے ہوئے سورج کی روشنی کا منکر ہونا ہے۔

رشید حسن خان کا بیان ہے:

... قواعدِ شاعری اور متروکات کی جن فہرستوں کو اُن (ناسخ) کے شاگردوں نے ..... مرتب کیا اور ان سب کا سلسلۂ نسب ناسخ تک پہنچا دیا، ان سے ناسخ کا کچھ تعلق نہیں۔ ناسخ کا اصل کارنامہ ایک اسلوب کی تشکیل ہے، اس اسلوب نے ایک نئی روایت بنائی ..... دبستانِ لکھنؤ کو سند اور مثال کا ایک معیار عطا کیا ورنہ اُن سے پہلے تک، بلکہ ان کے ابتدائی زمانے تک معیار اور سند دونوں کے لئے دہلی کی طرف دیکھنا پڑتا تھا۔ اب خود لکھنؤ کا اپنا ایک معیار تھا، ایک مثالی انداز تھا، جس کی تقلید گویا سب کے لیے واجب تھی، ناسخ کو شاعری کی مملکت کا غازی الدین حیدر کہنا چاہیے۔ جس طرح

انھوں نے (غازی الدین حیدر) نے خطابِ شاہی قبول کر کے اس روایت کا خاتمہ کر دیا جس کی عظمت کے رشتے میں ہر چیز بندھی ہوئی تھی[1] اور اس طرح خود مختاری کا علم بلند کیا اسی طرح ناسخ نے شاعری کی سرزمین پر لکھنؤ کی خود مختاری کا اعلان کیا۔ گویا اب سند اور مثال کے لیے دہلی کی طرف نہیں دیکھنا ہوگا۔ پُرانا سکّہ منسوخ ہوا اور نئے سکّہ کا چلن ہوا....."

(انتخاب ناسخ ص ۱۱۱ تا ۱۱۳)

---

[1] رشید حسن خاں نے یہاں غازی الدین حیدر کی بادشاہت کے جس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے اس کے متعلق اختصار سے چند باتیں عرض کرنا مناسب ہوگا۔ اودھ میں سعادت خاں برہان الملک نے دہلی کے مغل بادشاہوں کے فرمان پر صوبیداری کی جو روایت قائم کی تھی اس کے تحت برہان الملک، صفدر جنگ، شجاع الدولہ، آصف الدولہ وزیر علی خاں اور نواب سعادت علی خاں اودھ کے نواب وزیر یا صوبے دار کہے جاتے تھے سعادت علی خاں کی وفات پر جب ان کے فرزند غازی الدین حیدر جولائی ۱۸۱۴ء (۱۲۲۹ھ) میں اودھ کے نواب ہوئے تو انھوں نے مسند وزارت پر بیٹھنے کے چند سال بعد انگریزوں کی تحریک پر ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۳۴ھ مطابق شنبہ ۹ اکتوبر ۱۸۱۹ء کو "شاہ زمن" کے خطاب سے اودھ میں خود مختار بادشاہت کی بنا ڈالی تھی۔ اس سے اودھ، دہلی کے مغل فرمانرواؤں کے احکام کا پابند نہ رہ کر ایک خود مختار ریاست بن گیا۔ ان امور کی تفصیلات کے لئے دیکھیے تلاش دبیر: کاظم علی خاں لکھنؤ طبع دسمبر ۱۹۷۹ء، ص ۹۶، ص ۱۱۴ تا ۱۱۵ (حاشیہ نمبر ۱۲۱) نیز ص ۱۷۳ (حاشیہ ۲)۔

رشید خان نے یہاں ناسخ کو اردو شاعری میں ایک نئی طرز کا موجد مانا ہے مگر علی جواد زیدی، ناسخ کو کسی طرزِ جدید کا موجد ماننے سے انکار کرتے ہیں اور ناسخ کی بزرگی کو صرف اُن کی لسانی اصلاحوں کا رہینِ منت قرار دیتے ہیں۔ (دیکھیے دو ادبی اسکول: سنی جواد زیدی طبع اوّل ص ۸۷ تا ۹۵)

علی جواد زیدی کے بموجب شاعری کے جس رنگ کو ناسخ کی ایجاد قرار دیا جاتا ہے وہ ناسخ سے قبل فارسی شاعری میں موجود تھا۔ یہاں علی جواد زیدی شاید اس حقیقت کو ضرور تسلیم کریں گے کہ ناسخ نے اپنی نئی شاعری کے ذریعے فارسی شاعری کے جن خصوصیات کو اردو شاعری میں درآمد کیا تھا وہ فارسی شاعری میں تو ضرور موجود تھے لیکن اردو شاعری میں ان کا باقاعدہ رواج ناسخ ہی کی بدولت ہوا تھا۔ ناسخ نے اپنی نئی طرز کی شاعری سے اردو شاعری کی قدیم روایت کو منسوخ کر کے جو اہم تاریخی کارنامہ سرانجام دیا تھا اس کا اعتراف مصحفی نے اپنے دیوانِ ششم کے دیباچے میں بھی کیا ہے۔ (اس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے) اور ناسخ کی اس طرزِ جدید کو غالب دہلوی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ (دیکھیے عودِ ہندی: غالب طبع ۱۲۸۵ھ ۱۲۵)

اپنے ایک فارسی خط میں غالب نے ناسخ کو ان کی اسی نئی طرز کی شاعری کے لئے "تازہ خیالانِ لکھنؤ" کا بھی خطاب دیا ہے[1]۔ غالب

---

[1] کلیاتِ نثرِ غالب۔ مطبوعہ منشی نول کشور کانپور طبع اپریل ۱۸۸۸ء ص ۱۲۵۔ (مکتوبِ غالب بہ نام شیخ امیر اللہ سرور)

نے اپنے اردو دیوان کا جو قلمی نسخہ ناسخ کو شنبہ ۲ر اگست ۱۸۳۴ء (مطابق ۲۶ر ربیع الاوّل ۱۲۵۰ھ) کو ارسال کیا تھا[1] اس کی پشت پر غالب نے فارسی زبان میں ایک عبارت لکھی تھی۔ غالب نے اس فارسی عبارت میں ناسخ کے لیے یہ جملہ بھی لکھا تھا:

"... مولانا ناسخ کہ در سخن طرح نوی ریختہ اوست و در ریختہ نقش بدیع انگیختہ او ..." (کلیات نثر غالب طبع ۱۸۸۸ء ص ۲۷۲)

غالب کے اس جملے میں بھی ناسخ کو اردو شاعری میں "طرح نوی" کا موجد تسلیم کیا گیا ہے۔ مصحفی اور غالب کی ان شہادتوں کی بنیاد پر ہی ہم ناسخ کو اردو شاعری میں ایک نئی طرز کا موجد قرار دے سکتے ہیں۔"

کاظم علی خاں

لکچرر شعبۂ اردو شیعہ ڈگری کالج

لکھنؤ نمبر ۳

لکھنؤ مورخہ ۲۷ر اپریل ۱۹۸۳ء

---

[1] رک: (۱) کلیاتِ نثرِ غالب ص ۲۷۲ نیز ص ۱۰۷ (مکتوب غالب بہ نام ناسخ)

(۲) ناسخ: پروفیسر شبیہ الحسن نوہروی ص ۱۷۷ تا ۱۷۸۔

انتخاب دیوان اوّل

دیوان ناسخ

(۱۲۳۲ھ، ۱۷-۱۸۱۶ء)

(۱)

بُلبل ہوں بوستانِ جناب امیرؑ کا
روح القدس ہے نام مرے ہم صفیر کا
بیعت خُدا سے مجھ کو ہے بے واسطہ نصیب
دستِ خُدا ہے نام مرے دست گیر کا
جو کچھ کہ دل میں ہے، وہ ہے جاری زباں پر
ہے نشّہ مجھ کو بادۂ خمّ غدیر کا
ناسخ کا ادّعا ہے یہی روز بازپُرس
میں ہوں غلام، شاہِ رسل کے وزیر کا

(۲)

مرا سینہ ہے مشرقِ آفتاب داغِ ہجراں کا
طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا

سیہ خانہ مرا روشن ہوا ویران ہونے سے
کیا دیوار کے رخنوں نے یاں عالم چراغاں کا
چمکنا برق کا لازم پڑا ہے ابر باراں میں
تصوّر چاہیے رونے میں اس کے روئے خنداں کا
کسی سے دل نہ اس وحشت سرا میں نے اٹکایا
نہ الجھا خار سے دامن کبھی میرے بیاباں کا
تہہ شمشیر قاتل کس قدر بشاش تھا ناسخ
کہ عالم ہر دہانِ زخم پر ہے روئے خنداں کا

(۳)

جس جگہ ہے حُسن، فوراً قدرداں پیدا ہوا
چاہ میں یوسف گرا تو کارواں پیدا ہوا
شیر سے تا شربتِ مرگ، ایک سی تلخی ہے یاں
غم لگا کھانے وہیں، انساں جہاں پیدا ہوا
ہوں وہ دریا جس میں ہے اک عرشِ اعظم ہر حباب
ہل گئی اک ہر جس دم، اک جہاں پیدا ہوا
رشک سے میرے سخن پر خلق ہوتی ہے ہلاک
حیف دنیا میں نہ کیوں میں بے زباں پیدا ہوا

وادیٔ ہستی میں آتے ہی عدم کی راہ لی
ساتھ اپنے توسنِ عمرِ رواں پیدا ہوا

(۴)

زُلف سے کیجیو شانے کو نہ زنہار جُدا
کاٹ کھاتا ہے، جو ہوتا ہے سرِ مار جُدا
لاکھوں نے کاٹ کے سر رکھ دیئے قاتل کے حضور
انگلیاں ہوگئیں یوسفؑ پہ جو دو چار جُدا
سر و ساماں پہ ہے کیا کبر، کہ غافل اک دن
جسم سے سر ہے جُدا، سر سے ہے دستار جُدا
بوجھ اپنا کبھی ڈالا نہ کسی پر میں نے
ہوئی تعمیر، مری سقف سے دیوار جُدا
فصل کیوں کر کروں دونوں میں گوارا ناسخ
کہ محمدؐ سے نہیں حیدرؑ کرّار جُدا

(۵)

کیا اثر میری سیہ بختی کے آگے نور کا
ماہ ہے اک خالِ رخسارہ، شبِ دیجور کا
مر گیا ہوں دیکھ کر جلوہ رُخِ پُر نور کا
میری لوحِ قبر کو زیبا ہے پتّھر طور کا
کب ہماری فکر سے ہوتا ہے سودا کا جواب
ہاں تتبّع کرتے ہیں ناسخ ہم اس مغفور کا

(۶)

روئے جاناں پہ ہُوا خطِّ مبنہ پیدا
ہو گئے حُسن کی پرواز کو شہپر پیدا

سعی سے گوہرِ مقصد نہیں ہوتا حاصل
نہ کبھی آبِ رواں میں ہوئے گوہر پیدا
حرفِ سخت اُس نے کہے مجھ کو لبِ رنگیں سے
جائے حیرت ہے، ہوئے لعل سے پتھر پیدا
ہے ازل سے وہ مرا قبلۂ ایماں ناسخ
جس کو خالق نے کیا کعبے کے اندر پیدا

(۷)

ـ ل لکھتا ہوں دیدۂ تر کا — موجِ دریا ہے تارِ مسطر کا
ـ جو یوسف، ہوا نہ وہ بھی عزیز — کیا برادر کو غم برادر کا
ـ ت کہتے ہیں جس کو ابرِ بہار — گوشہ ہے میرے دامنِ تر کا
ـلِ گل میں ہو شوق سے عریاں — وحشیو حکم ہے پیمبر کا
ـ جاوید چھوڑ کر، لی موت — دیکھنا حوصلہ سکندر کا
ـ ہے ناسخ جوابِ خط کا ذکر (۸) نہ ملا ایک پر کبوتر کا

رہے کیونکر نہ دل ہر دم نشانہ ناوکِ غم کا
کہ ہے میرا تولّد ہفتمِ ماہِ محرم کا
نہیں ہے معتقد میرا اگر حاسد، تو کیا غم ہے
ہوا بے سجدۂ ابلیس، کیا نقصان آدم کا
گزر ناگاہ جو میرا ہوا شہرِ خموشاں میں (ق)
عجب نقشا نظر آیا وہاں شاہانِ عالم کا
کہیں آئینۂ زانو سکندر کا شکستہ تھا
کسی جانب پڑا تھا کاسۂ سر خاک میں جم کا

محب ہیں سایۂ رہ اور عدو ہیں خارِ رہ ناسخ
مسافر وادیِ امکاں میں ہوں گویا کوئی دم کا

(۹)

دے دُپٹّا تو اپنا ململ کا ناتواں ہوں، کفن بھی ہو ہلکا
دردِ سر میں جو سر رگڑتا ہوں تیرا دروازہ کیا ہے صندل کا
قیس کی قیس جانے ہے لیکن وحشی ہوں آدمی کے جنگل کا
جُز صنم کچھ نظر نہیں آتا وہ موحِدّ ہوں روز اوّل کا
لکھوں ناسخ جو وصفِ چشمِ سیاہ
ہو سیاہی میں طور کا جل کا

(۱۰)

کون وہ دل ہے، جو محوِ رخِ جاناں نہ ہوا
کون آئینہ ہے جو دیدۂ حیراں نہ ہوا
پر لگائے مجھے وحشت نے، اڑا پھرتا ہوں
مجھ سے پامال کوئی خارِ بیاباں نہ ہوا
لاکھ کافر کو کیا تو نے مسلماں ناسخ
ہے یہ افسوس کہ تو آپ مسلماں نہ ہوا

(۱۱)

پوچھتا اشک، اگر گوشۂ داماں ہوتا
چاک کرتا میں جنوں میں، جو گریباں ہوتا
اپنی صورت کا وہ دیوانہ، نہ ہوتا تو کیوں
پاؤں میں سلسلۂ گیسوے پیچاں ہوتا

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے دلے
آج آتی شب فرقت میں تو احساں ہوتا

اے بتو! ہوتی اگر مہر و محبت تم میں
کوئی کافر بھی نہ واللہ مسلماں ہوتا

(۱۲)

ماجرا ہر بحر میں ہے چشم دریا بار کا
کیا عجب ڈوبے سفینہ گر مرے اشعار کا

کیوں نہ کھٹکوں، آسماں کو رات دن میں ناتواں
آبلے کی شکل اس میں، مجھ میں عالم خار کا

مانعِ صحرا نوردی، پاؤں کی ایذا نہیں
دل دکھا دیتا ہے میرا، ٹوٹ جانا خار کا

(۱۳)

پیش تر سر سے یہاں ہوتے ہیں ساماں پیدا
کھانے کے وقت سے اوّل ہوئے دنداں پیدا

ہو گئے دفن ہزاروں ہی گل اندام اس میں
اس لئے خاک سے ہوتے ہیں گلستاں پیدا

ہم ضعیفوں کو کہاں آمد و شد کی طاقت
آنکھ کی بند، ہوا کوچۂ جاناں پیدا

سنگِ کہسار، برائے سرِ شوریدہ بنے
ہوئے پاؤں کے لئے خارِ بیاباں پیدا

دل جو مجروح ہوا، پائے یہ رنگیں مضمون
نخلِ گُل ہو جو قلم، گُل ہوں دو چنداں پیدا

روزِ مولد سے نہیں عیش و طرب قسمت میں
رمز یہ ہے جو بشر ہوتے ہیں گریاں پیدا

کیوں نہ ہم عالمِ امکاں میں کریں ترکِ لباس
جب کہ خالق نے کیا ہو ہمیں عریاں پیدا

تار ہیں سجدۂ معبود میں، ناسخ، مصروف
سر سے اِس واسطے ہوتے ہیں سب اُس کا پیدا

(۱۴)

غلط کہتے ہیں، اُس رُخ کا ہوا خطِ بے رقم پیدا
کہ زُلفوں کے ہوئے تھے اِس کے لکھنے کو قلم پیدا

عیاں ہے ہر حبابِ بحر سے کیفیّتِ دُنیا
برائے چشمِ بینا ہیں ہزاروں جامِ جم پیدا

کیا کرتا ہے گردوں، بے نشاں بنیادِ ظالم کو
کہیں ہوتا نہیں شدّاد کا باغِ ارم پیدا

جبیں کیوں کر برہمن مارے سجدوں کے نہ گھس ڈالیں
ہُوا ہے تیرے سنگِ آستاں سے ہر صنم پیدا

نہیں ممکن کہ کلکِ فکر لکھّے شعر سب اچھّے
برستا ہے بہت نیساں گُہر ہوتے ہیں کم پیدا

(۱۵)

ساتھ اپنے جو مجھے یار نے سونے نہ دیا
رات بھر مجھ کو دلِ زار نے سونے نہ دیا
خواب میں ہی نظر آتا وہ شبِ ہجر کہیں
سو مجھے حسرتِ دیدار نے سونے نہ دیا
خفتگی بخت کی کیا کہیے کہ جز خوابِ عدم
عمر بھر دیدۂ بیدار نے سونے نہ دیا
یاد اُس زلف کی، رہ رہ کے مجھے دلوائی
ہجر میں مجھ کو شبِ تار نے سونے نہ دیا
سمجھے تھے بعدِ فنا پائیں گے راحت ناسخ
حشر تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا

(۱۶)

یاروں نے راحت عدم میں کی، میں نالاں رہ گیا
قافلہ منزل میں جا اترا، جرس یاں رہ گیا
میں درِ فردوس پر، رضواں کو سمجھا اک رقیب
بعد مُردن بھی خیالِ کوئے جاناں رہ گیا
عمر بھر وحشت میں گر صحرا نوردی کی تو کیا
سیر کے قابل جو تھا، دل کا بیاباں رہ گیا

(۱۷)

اثر خونِ جگر میں کیا ہے، آبِ زندگانی کا
نہیں مرتا میں فرقت میں، بُرا ہو سخت جانی کا

کھلے دروازے ہر شب چین سے سوتے ہیں ہم جب سے
دیا ہے خانۂ ویراں کو عہدہ پاسبانی کا

کوئی لکھ کر اٹھاتا ہے جو اُن کو، اٹھ نہیں سکتے
بندھا جن حرفوں میں مضموں ہماری ناتوانی کا

دہانِ زخمِ دل کے قہقہے بے طور ہیں ناسخ
تصوّر ہے تجھے کس کے لباسِ زعفرانی کا

(۱۸)

جو دل ہی ٹوٹ گیا، کیا ہوں شعرِ تر پیدا
ہوئے ہیں شاخِ شکستہ سے کب ثمر پیدا

شگفتہ غنچہ نہ جب تک ہو، بو نہیں آتی
ہو چاک چاک اگر دل، تو ہو اثر پیدا

نہ داغِ یاس سے گھبرا، بر آئے گی امید
گلوں کے بعد ہوا کرتے ہیں ثمر پیدا

(۱۹)

دشمنِ جاں ہے ہمارا، پاسبانِ کوئے دوست
ہو جیے اب آشنائے ساکنانِ کوئے دوست

ہاتھ میں تیرے نہ ٹھہرے گا وہاں مکتوبِ شوق
یاد رکھ قاصد، بڑا ہے یہ نشانِ کوئے دوست

وصفِ جنّت جب کیے واعظ نے منبر پر شروع
صاف میں سمجھا کہ کرتا ہے بیانِ کوئے دوست

جو وہاں پہنچا، وہی آگاہ اس عالم سے ہے
اور ہی کچھ ہے زمین و آسمانِ کوئے دوست

ہے ترا قد وہ پائیدار درخت (۲۰) سجدے کرتے ہیں سایہ دار درخت

لاغر ایسا ہوں میں، کہ میرے لئے ہے ہر اک خار، سایہ دار درخت

نہیں جنبش ہوا سے یہ، اے گل تیرے غم میں ہیں بے قرار درخت

نہیں گرتے ہوا کے صدمے سے تجھ پہ کرتے ہیں گل نثار درخت

کیا بزرگوں میں ہو ترقی خورد (ق) کہ یہ کہتے ہیں بار دار درخت

باغِ عالم میں بڑھ نہیں سکتے

زیرِ اشجارِ سایہ دار، درخت

(۲۱)

جو پری رو ہے وہ دیوانہ ہے چشمِ یار پر

ہے گریباں چاک ہر گل نرگسِ بیمار پر

زلف کے صدمے زیادہ رخ سے ہیں مجھ زار پر

دن سے افزوں رات بھاری ہوتی ہے بیمار پر

بس یہی تدبیر اب ان کے بھگا دینے کی ہے

جی میں ہے ہو جاؤں عاشق چند روز اغیار پر

واں وہ انگشتِ حنائی سے بجاتے ہیں ستار

یاں دلِ پُرخوں کے ٹکڑے ہیں مژہ کے تار پر

(۲۲)

کیا اسیری میں کریں شکوہ ترا صیاد ہم

واں بھی کچھ دامِ رگِ گل سے نہ تھے آزاد ہم

یہ زمیں ہے بے وفا یہ آسماں بے مہر ہے

جی میں ہے اب اک نیا عالم کریں ایجاد ہم

جب سے دیکھی ہے گلِ رُخسارِ جاناں کی بہار
ہو رہے ہیں صورتِ برگِ خزاں برباد ہم
پہلے تیشہ مارتے خسرو کو، اے شیریں وہیں
جی نہ کھوتے مُفت اپنا، ہوتے گر فرہاد ہم
پہلے اپنے عہد سے افسوس سوداؔ اٹھ گیا
کس سے مانگیں جا کے ناسخؔ اس غزل کی داد ہم

(۲۳)

بند آتا ہے نظر، جاتے ہیں سو سو بار ہم
جانتے ہیں یار کے دروازے کو دیوار ہم
مانگتے ہیں یہ دُعا، سونے کے وقت اے یار ہم
ہوں ترے پاؤں کی آہٹ سے کہیں بیدار ہم
یادِ کوئے یار میں ہیں رات دن بیدار ہم
آنکھیں دار رکھتے ہیں مثل روزنِ دیوار ہم
پھنس گئے ہیں واعظا، گرداب دورِ جام میں
زیست بھر ہوں گے نہ اس دریائے مے سے پار ہم
عمر گزری، اک بُتِ کافر نظر آیا نہیں
حشر میں کیوں کر خُدا کا پائیں گے دیدار ہم

(۲۴)

زور ہے گرمیِ بازار ترے کوچے میں
جمع ہیں تیرے، خریدار ترے کوچے میں

دیکھ کر تجھ کو، قدم اٹھ نہیں سکتا اپنا
بن گئے صورت دیوار ترے کوچہ میں
پاؤں پھیلائے زمین پر میں پڑا رہتا ہوں
صورتِ سایۂ دیوار ترے کوچہ میں
آرزو ہے جو مروں میں، تو یہیں دفن بھی ہوں
ہے جگہ تھوڑی سی درکار ترے کوچے میں
حالِ دل کہنے کی ناسخ جو نہیں پاتا بار
پھینک جاتا ہے وہ اشعار ترے کوچے میں

(۲۵)

کوچۂ یار کو ہم یاد کیا کرتے ہیں
جا کے گلزاروں میں فریاد کیا کرتے ہیں
رشک سے لیتے نہیں نام کہ سن لے نہ کوئی
دل ہی دل میں اُسے ہم یاد کیا کرتے ہیں
پھونک دیں نالۂ سوزاں سے اگر چاہیں قفس
ہم فقط خاطرِ صیاد کیا کرتے ہیں
تیرا دیوان ہے کیا سامنے ان کے ناسخ
جو کہ قرآن پہ ایراد کیا کرتے ہیں

(۲۶)

جھکی رہتی ہیں پلکیں بہرِ سجدہ طاقِ ابرو میں
لکھا ہے آیۂ سجدہ مقرر صفحۂ رو میں

جو میزانِ خرد ہو، ہیں برابر اسفل و اعلا
ہمیشہ سنگ و زر ہم وزن ہیں دیکھو ترازو میں
عوض افسوں کے، جادو گر مرے اشعار پڑھتے
کہ وقتِ فکر، دل رہتا ہے اس کی چشم جادو میں
کبھی ہے دھیان عارض کا، کبھی یادِ مژہ دل کو
کبھی ہیں خار، پہلو میں، کبھی گلزار پہلو میں

(۲۷)

خامشی مجھ کو ہوئی قفلِ دہن ان روزوں
چھٹ گیا مشغلۂ شعر و سخن ان روزوں
دہن یار کے مانند ہوا ہے معدوم
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں ہم اپنا دہن ان روزوں
گم ہوئی ہے مری گلبانگ سے راہ منقار
کیوں نہ ہوں گرمِ فغاں زاغ و زغن ان روزوں
ناتوانی نے کیا مردہ مجھے جیتے جی
پیرہن تن پہ ہے مانندِ کفن ان روزوں
ہیں جفائیں جو یہی اہلِ وطن کی ناسخ
مجھ سے چھٹتا نظر آتا ہے وطن ان روزوں

(۲۸)

دل ہی اس کا جانتا ہے جس پہ گزرا ہے یہ حال
عشق کا صدمہ زبانوں سے بیاں ہوتا نہیں

خاکساروں سے ہے ہر جا سرکشوں کی سرکشی
وہ زمیں ہے کون، جس پر آسماں ہوتا نہیں
جتنے ہیں صاحبِ سخن، ان کی طبیعت نرم ہے
ہے دلیل اس پر، زباں میں استخواں ہوتا نہیں

(۲۹)

سوائے مکر زمانے میں رسم و راہ نہیں
وہ کون جا ہے جہاں چاہ زیرِ کاہ نہیں
میں گو کہ حسن سے ظاہر میں مثلِ ماہ نہیں
ہزار شکر کہ باطن مرا سیاہ نہیں
جما ہے بزمِ صنم میں رقیبِ سبز قدم
میں کیوں کر اس کو اکھاڑوں وہ کچھ گیاہ نہیں
ہجومِ فوجِ عدو سے جہاں میں اے ناسخ
سوائے قلعۂ مرقد کہیں پناہ نہیں

(۳۰)

مستوں کا عیش تلخ ہے دیرِ خراب میں
یہ رمز ہے، جو ہوتی ہے تلخی شراب میں
غفلت سے، اپنا طالبِ دیدار آپ ہوں
میرا ہی چہرہ ہے جو نہاں ہے نقاب میں
ساغر میں عکسِ رخ، رخِ گلگوں پہ ہے عرق
موتی جو آگ میں ہے، تو شعلہ ہے آب میں

[illegible] جو ہیں، انھیں سونے سے کیا ضرر
[illegible] ہوا ستاروں کا مسجود خواب میں

(۳۱)

[illegible] گیا ہیں، گلزاروں کی [illegible] ہ پُرنم نہیں
[illegible] عجب گلزار ہے جو قطرۂ شبنم نہیں
آنکھ نرگس کی نہیں ہرگز جھپکتی اس لیے
[illegible] بہارِ گلشنِ عالم نہیں
ہیں شرر پتھر میں پنہاں، پر جہاں آگاہ ہے
کون ہے جو میرے سوزِ عشق سے محرم نہیں
یار کو ناسخ یہ لکھ مصراعِ استاذِ قدیم
"دیر کی تم نے ذرا آنے میں تو پھر ہم نہیں

(۳۲)

قابلِ روحِ سبک رَو، بدنِ پیر نہیں
ایک دم ساکنِ آغوشِ کماں، تیر نہیں
شبہِ ناسخ نہیں کچھ میر کی [illegible] ادی میں
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر [illegible]

(۳۳)

جب سے کہ بتوں سے آشنا ہوں
بے گانۂ خدائی سے ہوا ہوں
کیوں کر کہوں، عارفِ خدا ہوں
آگاہ نہیں کہ آپ کیا ہوں

منہ ان کا نہیں ہے شکر، ورنہ
ہر بُت کہتا کہ : "میں خُدا ہوں"
بے گانہ ہوں، کیوں کر، آشنا سے
بے گانوں سے بھی میں آشنا ہوں
ناسخ کی یہ دُعا ہے یارب
مر جاؤں تو خاکِ کربلا ہوں،

(۳۴)

اس ابر میں یار سے جُدا ہوں — بجلی کی طرح تڑپ رہا ہوں
اے ابرِ شبِ فراق دے ساتھ — رونے پر مستعد ہوا ہوں
کیوں کر مری خاک سے نہ ہوں سر — میں سرو قدوں کا خاک پا ہوں
آئینۂ دل میں ہے ترا عکس
دن رات میں تجھ کو دیکھتا ہوں

(۳۵)

صنم کوچہ ترا ہے اور میں ہوں
یہ زندانِ وفا ہے اور میں ہوں
یہی کہتا ہے جلوہ میرے بُت کا
کہ اک ذاتِ خُدا ہے اور میں ہوں
اِدھر آنے میں ہے کس سے تجھے شرم
فقط اک غم ترا ہے اور میں ہوں
نہ ہو کچھ آرزو مجھ کو خدایا!
یہی ہر دم دُعا ہے اور میں ہوں

وہ چھوڑ کر رستے میں مجھ کو
اب اُس کا نقشِ پا ہے اور میں ہوں
زمانے کے ستم سے روز ناسخ
نئی اک کربلا ہے اور میں ہوں

(۳۶)

روح کو آرام دم بھر باغ رضواں میں نہیں
خاک اپنی بعدِ مُردن کوئے جاناں میں نہیں
دیکھنا، کل آپ سے کوئی نہ رکھے گا قدم
آج جانے کی اجازت جس گلستاں میں نہیں
کیا ہوا گر شعرِ ناسخ ہیں عقیدے کے خلاف
آیۂ منسوخ کیا موجود قرآں میں نہیں

(۳۷)

جان ہم تجھ پہ دیا کرتے ہیں — نام تیرا ہی لیا کرتے ہیں
چاک کرنے کے لیے اے ناصح — ہم گریبان سیا کرتے ہیں
زندگی زندہ دلی کا ہے نام — مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں
سنگِ اسود بھی ہے بھاری پتھر — لوگ چوم لیا کرتے ہیں
کل نہ نام دے گا کوئی مٹی بھی انھیں — آج زر جو کہ دیا کرتے ہیں
دفن محبوب جہاں ہیں ناسخ
قبریں ہم چوم لیا کرتے ہیں

(۳۸)

جب وہ مسجد میں ادا کرتے ہیں — سب نماز اپنی قضا کرتے ہیں

جن کی رفتار کے پامال ہیں ہم وہی آنکھوں میں پھرا کرتے ہیں
شاد ہیں باغِ فنا میں کب گُل اپنی ہستی پہ ہنسا کرتے ہیں

موسمِ گُل میں بشر ہیں معذور
گُل تلک چاک قبا کرتے ہیں

(۳۹)

وحشت کبھی کسی کی گوارا یہاں نہیں
جس سرزمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں
دو روز ایک وضع پہ رنگِ جہاں نہیں
وہ کون سا چمن ہے کہ جس کو خزاں نہیں
آنکھوں سے فائدہ، جو نہیں تیری گردِ راہ
حاصل جبیں سے کیا جو ترا آستاں نہیں
پژمردہ ایک ہے، تو شگفتہ ہے دوسرا
باغِ جہاں میں فصلِ بہار و خزاں نہیں
دھوکا نہ کھا، ظروفِ وضو کو تو دیکھ کر
مسجد ہے، مے فروش کی ناسخ دکاں نہیں

(۴۰)

لائیں گر موسیٰ ید بیضا میں شمعِ طور کو
کر سکیں روشن نہ فرقت کی شبِ دیجور کو
دیتی ہیں زلفیں تری، رُخ سے زیادہ مجھ کو رنج
دن سے افزوں رات بھاری ہوتی ہے رنجور کو

قصرِ اے مُنعم بناتا ہے تو اوروں کے لیے
جانتے ہیں ہم برابر تجھ کو اور مزدور کو
فکر ہے بینائیِ عاشق کی، حُسنِ دوست کو
بہرِ موسیٰ برق نے سُرمہ بنایا طور کو
اُس کو تلووں تک رسائی، تا بہ پیشانی اسے
اے صنم کیا ہی حنا پر فوق ہے سیندور کو
بُت پرستی میں ہے ناسخ حق پرستی کا خیال
دیکھتے ہیں ہر صنم میں ہم خُدا کے نور کو

(۴۱)

مسخّر کر لیا لاکھوں پری زادانِ مضموں کو[1]
غضب افسوں، گری آتی ہے میری طبعِ موزوں کو
خرابات جہاں میں ترکِ عشرت کرتے ہیں دانا
پسند آیا اسی خاطر خُمِ خالی فلاطوں کو
زمینِ شعر کو چوتھا فلک میں نے بنایا ہے
لکھا ہے آفتابِ روئے جاناں کے جو مضموں کو
ابھی بحرِ ہزج کو ہر کوئی بحرِ رمل سمجھے[2]
کروں موزوں میں اپنی خاکساری کے جو مضموں کو

جو اُس خورشید رو کے عشق میں ہاتھ آئے اے ناسخ
تو ذرّوں کی طرح دم میں اڑا دوں گنجِ قارُوں کو

(۴۲)

درازی یاد دلواتی ہے اس زلفِ پریشاں کو
عزیز اس واسطے رکھتا ہوں میں شب ہائے ہجراں کو
جو دعوائے خدائی ہے، نکال اغیار کو گھر سے
خدا نے اے صنم، باہر کیا جنت سے شیطاں کو
سنا تھا سانپ آتے ہیں نظر برسات میں اکثر
میں رویا ابرِ ساں برسوں، نہ دیکھا زلفِ پیچاں کو
خدا خالق نے پیدا کی جو تیرے پاؤں کی خاطر
بنایا میرے تلووں کے لیے خارِ مغیلاں کو
نہ کیوں کر چشمِ مستِ یار خوش ہو میرے رونے سے
کہ ناسخ دوست رکھتا ہے ہر اک مے خوار یاراں کو

(۴۳)

بھولے نہ بعدِ مرگ بھی ہم، رقصِ یار کو
ٹھوکر کی آرزو ہے ہمارے مزار کو
زیبا ہے عشقِ زلف، دلا مال دار کو
الفت بہت خزانے سے ہوتی ہے مار کو
دامن سے ارتباط مبارک ہو خار کو
عریانی ہے پسند مرے جسمِ زار کو
کہیو صبا، جو پائے تو اس شہ سوار کو
روندا کبھی نہ آ کے ہمارے غبار کو

گزرے ہزار سال، نہیں ہے نشانِ صبح
کیا طول ہو گیا ہے شبِ انتظار کو

(۴۴)

ہیں اشک مری آنکھوں میں قلزم سے زیادہ
ہیں داغ مرے سینے میں انجم سے زیادہ
تو رمز کی، کرتا ہے اشارے میں وہ باتیں
ہے لطف خموشی میں تکلم سے زیادہ
مے خانے میں تو مرتبہ میں مر کے جیا ہوں
ہے قلقلِ مینا مجھے "قم قم" سے زیادہ
تو رقص سے افزوں ہے پری رو تری رفتار
پاؤں کی صدا لاکھ ترنم سے زیادہ
معشوقوں سے امیدِ وفا رکھتے ہو ناسخ
ناداں کوئی دنیا میں نہیں تم سے زیادہ

(۴۵)

مست ہے عالم مرے اشعار کی تاثیر سے
مثلِ مینائے مے ٹپکتی ہے مری تقریر سے
مے پرستو! آؤ کر لیں محتسب کو سنگسار
بچ رہے ہیں سنگ کچھ مے خانے کی تعمیر سے
ہے ریاضِ فکرِ ناسخ کی جو شادابی یہی
لکھنؤ میں آئے گی روحِ غنی کشمیر سے

(۴۶)

اجل سر پہ کھڑی ہے، خوابِ غفلت میں زمانا ہے
چھپر کھٹ کے عوض لازم جنازے کا بنانا ہے

نکلتا ہے جو ہر گُل زر بکف گلزارِ عالم میں
خُدا جانے زمیں میں دفن یہ کس کا خزانا ہے

اشارہ آمد و رفتِ نفس کا ہے یہی ہر دم
بدن میں دم جو آیا ہے مقرر اس کو جانا ہے

کمی ہوتی نہیں نقدِ سخن کی یاں کبھی ناسخ
ازل سے اپنے قابو میں معانی کا خزانا ہے

(۴۷)

پھر بہار آئی، کفِ ہر شاخ پر پیمانہ ہے
ہر روش میں جلوۂ بادِ صبا مستانہ ہے

میرے یوسفؑ کی خریداری عزیزو ہے محال
نقدِ جاں ہے اس کی قیمت، نقدِ دل بیعانہ ہے

ہے بسانِ شمعِ روشن، ہر چراغِ چشم غول
ہو چکا ہے بارہا آباد، جو ویرانہ ہے

دیکھتے تھے کل جنھیں آنکھوں سے ہم اے غافلو!
آج ان کا اپنے کانوں کے لئے افسانہ ہے

شہرِ دم میں ہوتے ہیں آباد جن کے حکم سے
ایک دن اُن کے لئے بھی گوشۂ ویرانہ ہے

آج ہے جس کے قدم سے رونقِ باغ جہاں
کل وہی رُخصت برنگِ سبزۂ بیگانہ ہے
اپنے کاموں میں رہو مشغول تم اے غافلو!
اس کی باتوں پر نہ جاؤ، ناسخ اک دیوانہ ہے

(۴۸)

لالہ و گُل کا جوش ہے، بُلبلوں کا خروش ہے
فصلِ وداعِ ہوش ہے، موسمِ نادنوش ہے
مر گئے تیرے غم میں ہم، کچھ بھی ہُوا نہ تجھ کو غم
ہے یہ وہ غم کہ اے صنم، کعبہ سیاہ پوش ہے
صدقے ہو تیری چال پر، کیوں نہ نسیم ہر سحر
نقشِ قدم سے رہ گزر، دامنِ گُل فروش ہے
ناسخ! قول ہے بجا، حضرتِ میر دردؔ کا
"حُسن بلائے چشم ہے، نغمہ وبالِ گوش ہے"

(۴۹)

جی میں ہے خارِ بیاباں، جائے مژگاں دیکھیے
زُلفِ جاناں کے عوض شامِ غریباں دیکھیے
کھائیے کیوں داغ معشوقانِ گُل رخسار پر
مُدّعا ہے جی بہلنے سے، گلستاں دیکھیے
تا بکے اغیار اپنی آنکھ میں کھٹکا کریں
آبلوں میں کچھ دنوں خارِ مغیلاں دیکھیے

کرتے پھریے کیوں کسی کے مصحفِ رُخ پر نگاہ
صبح سے تا شام بیٹھے اس سے قرآں دیکھیے

کر چکے اقلیم وحشت میں بہت جوش و خروش
چند مدّت عالمِ شہرِ خموشاں دیکھیے

ہو چکیں وہ عشق کے غم میں گریباں چاکیاں
اپنے غم میں گور کا چاکِ گریباں دیکھیے

بس خدا سے اک یہی ہے اپنی اے ناسخ مُراد
کربلا میں روضۂ شاہ شہیداں دیکھیے

(۵۰)

داغِ دل چمکا، خیالِ عارضِ پُر نور سے
ہو گیا روشن چراغِ اپنا، چراغِ طور سے

کب ہُوا مارِ سیہ کے سامنے روشن چراغ
بھاگتا ہے آفتاب، اپنی شب دیجور سے

پیرزن نے کوہ کن کا کام آخر کر دیا
زور کا کچھ بس نہیں چلتا ہے ہرگز زور سے

پا شکستہ جو ہے، کرتا ہے جہاں میں سلطنت
یہ صدا آتی ہے ہر دم تربتِ تیمور سے

(۵۱)

آتے آتے کیوں نہ اٹھے پاؤں بھاگے دور سے
صبح ڈرتی ہے بہت میری شب دیجور سے

طالبِ دیدار جس کا ہے دِلا وہ تجھ میں ہے
جلوۂ برقِ تجلّی تھا شرارِ طور سے

وعدۂ دیدار اُس نے حشر پر رکھّا تو ہے
طالعِ خفتہ بھی ہوں بیدار لیکن صور سے

ہوگیا ہے مجھ کو سودا اک تجلّی دیکھ کر
کہہ دو لڑکوں کو، بھریں دامن وہ سنگ طور سے

بانٹ لے کوئی کسی کا درد، یہ ممکن نہیں
بارِ غم دُنیا میں اٹھواتے نہیں مزدور سے

دیکھتا ہوں جب کلام اس کا، بہت آتا ہے یاد
اُنس تھا مجھ کو نہایت ناسخِ مغفور سے

۵۲

ہے محبّت مجھ کو اُس سروِ قدِ پُر نور سے
سایہ روشن تر ہے جس کا، برقِ نخل طور سے

گرتی ہے بجلی جو عکسِ عارضِ پُر نور سے
آئینہ کیا تو نے بنوایا ہے سنگِ طور سے

دیکھنا اے اہلِ عبرت، انتقام آسماں
بنتے ہیں جامِ گدا، خاکِ سرِ فغفور سے

جو نظر آیا حرم میں، دیر میں دیکھا وہی
ناسخ اپنی آنکھیں روشن ہیں خدا کے نور سے

(۵۳)

زارا انتظارِ خط نے کیا اِس قدر مجھے
پہچانتا نہیں ہے مرا نامہ بر مجھے
شاخوں کی طرح سایے کو رکھتا ہے دوش پر
گر دیکھتا ہے دھوپ میں کوئی شجر مجھے
ہوں وہ غمی کہ لب نہ ہنسی سے ہوں آشنا
دیوارِ قہقہہ بھی جو آئے نظر مجھے
ممکن نہیں سوائے خدا علمِ غیب ہو
کیونکر صنم تری نظر آئے مگر مجھے
صندل کی جستجو ہے عبث، فائدہ ہی کیا
اک دردِ سر میں اور جو ہو دردِ سر مجھے
ناسخ برنگ نکہتِ گل ہے سفر مرا
مرکب ہوا ہے دوشِ نسیمِ سحر مجھے

(۵۴)

جنوں نے میری عُریانی کو یہ تاثیر بخشی ہے
نہ اُلجھا میرے صحرا کا کبھی کانٹا بھی دامن سے
زباں یوں میری دُزدانِ سخن نے بند کر دی ہے
کہ رستے بند ہو جاتے ہیں جیسے خوفِ رہزن سے
نکالوں دشت میں کیا خار، پائے ناتوانی سے
کہ میرے ہاتھ کو ہوتا ہے رعشہ بارِ سوزن سے

(۵۵)

فکر سے میں نہیں خالی غمِ جاناں میں کبھی
کبھی زانو پہ مرا سر ہے، گریباں میں کبھی

ہے یہ میرے دلِ صد چاک سے وحشت اس کو
شانہ کرتا نہیں وہ زلفِ پریشاں میں کبھی

قافلہ کیا کہ جرس کی بھی صدا دہشت سے
نہیں آتی مرے پُر ہول بیاباں میں کبھی

یاد آیا نہ نظر، برسوں رہا میں گریاں
برق چمکی نہ مرے سامنے باراں میں کبھی

سرد مہری یہ رہی شعلہ رخوں کی ناسخ
گرم پہلو نہ ہوا فصلِ زمستاں میں کبھی

(۵۶)

حیرت سے اشک، چشم کے باہر نہ ہو سکے
دریا بھرے رہے پہ مژہ تر نہ ہو سکے

بھولے نہ تیرا مصحفِ رخسار دیکھ کر
جس سے کہ ایک حرف بھی ازبر نہ ہو سکے

تقلید سے ہوا شرفِ ذات کب حصول
آئینہ ساز مثلِ سکندر نہ ہو سکے

رکھو کسی طرح تو سرو کا رہبر باں
کرتے رہو جفا ہی، وفا گر نہ ہو سکے

شامل نہ ہو جو ناسخ سرگشتہ کا غبار
صحرا میں گرد باد سے چکر نہ ہو سکے

(۵۷)

جب وادیٔ وحشت میں گزر میرا ہوا ہے
ہر ایک بگولا پئے تعظیم اٹھا ہے
نادان ہیں، ہوتا ہے گماں جن کو شفق کا
گلشن کا، ترے رشک سے یہ رنگ اڑا ہے
وہ سنگ دل اک روز ہوا صاف نہ مجھ سے
کہتے ہیں غلط، سنگ سے آئینہ بنا ہے
ہر دم ہے تمنا کہ کہیں تن سے جدا ہو
جس دن سے مرا سر ترے قدموں سے جدا ہے
کہیئے جو طویل اس کو سزاوار ہے ناسخ
جس بحر میں اس زلف کا مضمون بندھا ہے

(۵۸)

باد کی مانند ساقی لے اڑا پانی مجھے
کشتیٔ مے ہو گئی تختِ سلیمانی مجھے
کرتی ہے ضائع عبادت کو سیہ کاری مری
سجدے میں حاصل نہیں جز داغِ پیشانی مجھے
تھا میں عاشق، جب غرورِ حسن دنیا میں نہ تھا
سنگ میں آئینہ تھا ہے جب سے حیرانی مجھے

کیا سُبک رُوحی نے ناسخ کر دیا رُتبہ بلند
بُوئے گل ہوں، ہے صبا تختِ سلیمانی مجھے

(۵۹)

ہنسی آتی ہے اس گل کو ہماری اشک باری سے
شگفتہ ہوتے ہیں گل جس روش ابرِ بہاری سے
فراقِ یار میں نفرت ہے مجھ کو بادہ خواری سے
کہیں زاہد نہ کر دے متہم پرہیزگاری سے

(۶۰)

چہرہ ہُوا ہے غیرتِ گل آفتاب سے
خوش بو میں ہے زیادہ پسینا گلاب سے
ہم بوسہ مانگتے ہیں، وہ کچھ بولتے نہیں
محروم ہے سوال ہمارا، جواب سے
دم میں تمام دامنِ صحرا محیط ہو
سر کے جو آستیں ابھی چشمِ پُر آب سے

(۶۱)

یہ جسمِ زار بے حرکت پیرہن میں ہے
سب مجھ کو جانتے ہیں کہ مُردہ کفن میں ہے
فُرقت قبول، رشک کے صدمے نہیں قبول
کیا آئیں ہم، رقیب تری انجمن میں ہے
ہیں بے نصیب صحبتِ جاناں سے ایک ہم
پروانہ بزم میں ہے تو بُلبُل چمن میں ہے

(۶۲)

پنجۂ خورشید کو کافی ہے اک جیبِ سحر
روزیاں دستِ جنوں کو سو گریباں چاہیئے
سنگ ریزے لے چلوں چن چن کے بہر کو دکاں
عاریت اے کوہ، مجھ وحشی کو داماں چاہیئے
روح سعدی ہو گئی ہو گی خوشی سے باغ باغ
آج پڑھنے کے لئے اس کو گلستاں چاہیئے

(۶۳)

اے شیخ و گبر، سبحہ و زنار توڑیئے
پر دل کسی بشر کا نہ زنہار توڑیئے
آیا مہِ صیام، علی الرغم محتسب
روزے شراب سے سرِ بازار توڑیئے
ہم وحشیوں کے پاؤں کو کانٹوں سے کیا ہے انس
ہاتھوں سے بھی گلوں کے عوض خار توڑیئے
یاروں کی ہم سے دل شکنی ہو سکے کہاں
یاں پاس ہے، نہ خاطرِ اغیار توڑیئے
ہم جورِ چشمِ یار سے دم مارتے نہیں
یعنی روا ہے کب دلِ بیمار توڑیئے
ناسخ بہ قولِ افصحِ ہندوستاں کبھی
زاہد کا دل نہ خاطرِ خوار توڑیئے

(۶۴)

غمِ فُرقت میں ہوئے سوکھ کے کانٹا ایسے
اپنے دامن کو بچاتے ہیں بیاباں ہم سے
لفظِ رنگیں میں یہ ہیں معنیِ روشن پنہاں
ہو سکا بس یہی وصفِ لب و دنداں ہم سے

(۶۵)

نہ پتھروں سے فقط دامانِ طفلاں ہو گئے خالی
مرے سر پر تو کہساروں کے داماں ہو گئے خالی
صدف کی طرح تب مُنہ ہم نے کھولا تشنہ کامی سے
برس کر جب کہ سارے ابرِ نیساں ہو گئے خالی
جلائے ٹھوکروں سے اس قدر مُردے کہ ان روزوں
ترے اعجاز سے شہرِ خموشاں ہو گئے خالی

(۶۶)

نخلِ بُریدہ ہوں، مجھے کیا برگ و بار سے
شاخِ شکستہ ہوں، نہیں مطلب بہار سے
چشمے رواں ہوئے مژۂ اشک بار سے
رُتبے میں کاہ کم نہیں یاں کوہسار سے
اُس گُل کے دیکھتے ہی مرا رنگ اُڑ گیا
آئی خزاں یہ میرے چمن میں بہار سے
ناسخ یہ وہ غزل ہے جنوں زا کہ سنتے ہی
سودا کفن کو پھاڑ کے نکلے مزار سے

(۶۷)

دم نکلتا ہے مرا ہر عاشق و معشوق پر
گُل میں تیرا رنگ، بلبل میں تری آواز ہے
جس کو آنکھوں نے کبھی دیکھا، نہ کانوں نے سُنا
ہے دہانِ تنگ اس کا اور اپنا راز ہے
چونک اٹھے خوابِ لحد سے سن کے سودا یہ غزل
شاعری ہرگز نہیں ناسخ، فقط اعجاز ہے

(۷۸)

بات جو میرے مسیحا کی ہے اک اعجاز ہے
جان آجائے تنِ بے جاں میں وہ آواز ہے
لکھتے ہی اڑتے ہیں اطرافِ جہاں میں اپنے شعر
طائرِ معنی کو کاغذ شہپرِ پرواز ہے

(۶۹)

چشمِ خیال میں ہے وہاں درمیانِ یار
ان روزنوں علم غیب پہ مجھ کو عبور ہے
ٹھوکر لگا کے چلتے ہیں جس کھوپڑی کو لوگ
کس بادشاہ کا یہ سرِ پُر غرور ہے
ہے بیت ہی میں معنیِ بیتِ خیال بند
نزدیک ہے بہت، جسے سمجھے ہیں دور ہے

(۷۰)

کر گیا ہے مرے آغوش کو جاناں خالی
اس مہینے کو بجا کہتے ہیں انساں خالی
باغ میں سُن کے مری زمزمہ پردازی کو
آشیاں کر گئے مرغانِ خوش الحاں خالی
صاف ہوں خاکِ کدورت سے یہ دل ہائے خراب
کس طرح ریگِ رواں سے ہو بیاباں خالی
خانۂ عاریتی میں جو دم بھرتے ہیں!
عقل سے مجھ کو نظر آئے وہ انساں خالی
ہوئی میرے سرِ شوریدہ پہ آفت نازل
آج لڑکوں کے نظر آتے ہیں داماں خالی
یہ غبار ان کو ہے، ناسخ نہ ملا ایک گھڑی
صورتِ شیشۂ ساعت دلِ یاراں خالی

(۷۱)

فریبِ غیر نے مجھ کو نکالا کوئے جاناں سے
کیا ابلیس نے آدمؑ کو باہر باغِ رضواں سے
جو اعلا ہے سو اعلا ہے، جو ادنا ہے سو ادنا ہے
نہیں کچھ قدر سائے کی، بڑھا گو قدِ انساں سے
ہوئی ہے چاک کیوں یہ آتے ہی فصلِ بہاری کے
قبائے گل مگر سی تھی مرے تارِ گریباں سے

کسی کا کب کوئی روزِ سیہ میں ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جُدا رہتا ہے انساں سے

(۷۲)

دو چار حزیں پہنچیں[۱] گے اور بھی ہم سے
ہستی کی طرف مُنھ نہ کرے کوئی عدم سے
رکھتا ہے فلک سر پہ بنا کر شفق اُس کو
اُڑتا ہے اگر رنگِ حنا تیرے قدم سے

(۷۳)

تارے سیاہ ہوتے ہیں تشبیہہ کے لیے
مضمون ڈھونڈھتا ہوں اگر تیرے خال کے
ہمت اگر نہیں فلکِ دوں کو، کیا ہے غم
یاں لب ہی[۲] آشنا نہیں حرفِ سوال کے
آنسو ٹپک پڑا جو کوئی بزمِ یار میں
دریا بہے مرے عرقِ انفعال کے[۳]
کیا یارِ زُلف ہے کہ یار پر و بال
ایذا اُٹھائی کس نے نہ موذی کو پال کے

آرام کیا کہ جس سے ہو تکلیف (غیر) کو
پھینکوں[۳]، کبھی نہ پاؤں سے کانٹا نکال کے

(۷۴)

تیری نوک اے خارِ غم دیکھیں تو کیسی تیز ہے
تو سنِ عمرِ رواں کو حاجتِ مہمیز ہے
بادۂ عشرت سے خالی، زیست بھر ساغر رہا
آج کیوں کر جام میری عمر کا لبریز ہے

(۷۵)

جب ہوا سے بال زلفوں کے پریشاں ہو گئے
مثلِ سنبل تار تار اکثر گریباں ہو گئے
باغ میں گل بن کے ہیں گلدستے مزاروں کے تمام
خاک میں کیا کیا ہی گل رخسار پنہاں ہو گئے
گلشنِ عالم میں ہوں وہ عندلیبِ نغمہ سنج
زاغ، جس کے زمزمے سن کر خوش الحاں ہو گئے
وصل کی شب پھٹ گیا جس دم گریبانِ سحر
پیرہن میں یاں گریباں ہی گریباں ہو گئے
گلشنِ رخسارِ جاناں سے ہوئی رخصت بہار
صورتِ برگِ خزاں عاشق پریشاں ہو گئے
جس جگہ تھے قصر و منظر، بن گئیں گوریں تمام
شہر جو آباد تھے، شہرِ خموشاں ہو گئے

(۷۶)

بتوں پر جا کے ٹکر کیوں نہ لیں فرہاد سے
سیکھے ہیں ہم دونوں یہ فن ایک ہی استاد سے

اغنیا کو ہے یہاں حسرت، فقیروں کو ہے عیش
باغ کے مزدور ہی اچھے رہے شداد سے
شوق پتھر کھانے کا ایسا ہے مجھ دیوانے کو
چھٹیاں لڑکوں کو دلواتا ہوں روز استاد سے
بیٹھنے دے کون پاس اپنے کہ ناسخ دشت میں
گرد بادوں کو ہے رم مجھ خانماں برباد سے

(۷۷)

چشمِ جاناں اور ہے، چشمِ غزالاں اور ہے
وضعِ انساں اور ہے، ترکیب حیواں اور ہے
گر کتاں اس سے پھٹے، اس سے جگر ہو چاک چاک
ماہِ تاباں اور ہے، رخسارِ تاباں اور ہے
یہ میسر ہے، وہ دیکھیں ہو میسر یا نہ ہو
کوئے جاناں اور ہے، گلزارِ رضواں اور ہے
دل سے ہے کاوش اسے، تلووں سے ہے اسکو خلش
خارِ مژگاں اور ہے، خارِ مغیلاں اور ہے
گرچہ دونوں خاک پر غلطاں ہیں لیکن فرق ہے
سنبلستاں اور ہے، زلفِ پریشاں اور ہے

(۷۸)

غیر نے آکے چھڑایا درِ جاناں مجھ سے
دیو نے چھین لیا تختِ سلیماں مجھ سے

ہوں وہ عریاں کہ کبھی چھوٹ نہ گیا مجھ کو لباس
ہوں وہ کانٹا کہ نہ اُلجھا کبھی داماں مجھ سے

میری قسمت کی، وطن میں یہ سیہ بختی ہے
تیرگی مانگتی ہے شامِ غریباں مجھ سے

گرچہ ہوں مورِ وبے رتبہ بربادی میں
اُڑ کے جائے گا کہاں تختِ سلیماں مجھ سے

خانہ ویراں مجھے کہتا ہے ہر اک اے ناسخ
اب تو آباد ہوا خانۂ زنداں مجھ سے

(۷۹)

عاشق کو رنج ہو، تو ہو معشوق کو بھی رنج
یوسفؑ گرا کنوئیں میں زلیخا کی چاہ سے

مشرق سے کانپتا نہیں نکلا یہ بے سبب
خورشید ڈر گیا مرے روزِ سیاہ سے

ہر روز، روزِ ہجر ہے، ہر شب، شبِ فراق
نفرت ہوئی یہاں کے سفید و سیاہ سے

ناسخ حضورِ شاہِ زمن حشر تک رہیں
بندے ہزاروں حشمت و اقبال و جاہ سے

(۸۰)

پاس یارِ جانی ہے، بادہ ارغوانی ہے
شغلِ شعر خوانی ہے، عالمِ جوانی ہے

چال کس پری رو کی، وقتِ فکر یاد آئی
آج کچھ بہت اپنی طبع میں روانی ہے
آئینہ یہ دوراں ہے اس میں عکسِ جاناں ہے
آپ اپنا حیراں ہے، آپ اپنا ثانی ہے
خواب میں وہ آنے کا، کیوں نہ اب کرے وعدہ
یعنی کب جدائی میں، مجھ کو نیند آنی ہے
عمرِ خضر تک ناسخ، ہے ثبات ہم کو بھی
گوہرِ سخن میں یاں، آبِ زندگانی ہے

(۸۱)

کیوں سفیدی اور سیاہی آشکار آنکھوں میں ہے
عکس افگن کیا یہ زلفِ دردے یار آنکھوں میں ہے
بے سبب پیری میں، غافل، کم نظر آتا نہیں
توسنِ عمرِ رواں کا یہ غبار آنکھوں میں ہے

٭

(دیوانِ اوّل کی غزلیات م ۳۶۶ نیز ن ۱۳۸ پر
تمام ہوتی ہے۔)

انتخاب دیوان دوم

"دفتر پریشاں"

۱۲۴۷ھ — ۳۲-۱۸۳۱ء

(۸۲)

دیکھ کر موجِ ہوا کو، کہتے ہیں غربت میں ہم
بوریا اڑتا ہے اپنے خانۂ برباد کا
رنگِ عشرت باغِ عالم میں نظر آتا نہیں
گل کو گلچیں کا خطر، بلبل کو غم صیاد کا
کون سی طرزِ سخن ہے جو اُسے آتی نہیں
کیوں نہ ہو، شاگرد ہے ناسخ ہر اک اُستاد کا

(۸۳)

کر دیا ایسا خمیدہ ناتوانی نے مجھے
چور اپنی ٹھوکروں سے کاسۂ سر (ہو) گیا
ہے عجب راہِ عدم بھی، جو چلا اس راہ میں
اک قدم میں پیش قدموں کے برابر ہو گیا

(۸۴)

ہے تصوّر مجھے ہر دم تری یکتائی کا
مشغلہ آٹھ پہر ہے یہی تنہائی کا
میری آنکھوں نے تجھے دیکھ کے وہ کچھ دیکھا
کہ زبانِ مژہ پر شکوہ ہے بینائی کا
قدم اغیار کا رکھنا ہو گوارا کیوں کر
تیرے در پہ ہے مجھے شغل جبیں سائی کا

(۸۵)

ہجرِ جاناں سے رہائی کا قرینا ہو گیا
سہل مرنا ہو گیا، دشوار جینا ہو گیا
سال بھر سے مصحفِ روئے صنم دیکھا نہیں
وہ رجب گیا اس رجب کا بھی مہینا ہو گیا

(۸۶)

کوئی اڑتا کسی طائر کا اگر پر آیا
ہو گیا مجھ کو یقیں نامۂ دلبر آیا
دردِ سر مجھ کو جو غربت میں ہوا، وائے نصیب
بدلے صندل کے، وہیں چرخ سے پتھر آیا

(۶۷)

رحمتِ حق ہے سبب میری گنہ گاری کا
ابر کرتا ہے اشارہ مجھے مے خواری کا

نشہ میں جز قدمِ یار نہیں گرتا ہوں
بے خودی میں بھی مجھے دھیان ہے خودداری کا

(۸۸)

تیغِ قاتل، شاخِ صندل سے اثر میں کم نہیں
سر کٹے گا دور میرا دردِ سر ہو جائے گا
طور کا شعلہ ہمارے شمع رو کے سامنے
سنگ میں پنہاں ابھی مثلِ شرر ہو جائے گا
سوئے مدفن ہم چلے جاتے ہیں مسکن چھوڑ کر
ساتھ اپنے ہی تمام اپنا سفر ہو جائے گا
ناسخ اپنے دن پھریں گے دشتِ غربت میں اگر
آبلہ ہر ایک تلوے کا، گہر ہو جائے گا

(۸۹)

مظہر وہ بت ہے، نورِ خدا کے ظہور کا
نقشِ قدم سے سنگ کو رتبہ ہے طور کا
دیوان کیوں بھردوں نہ حسینوں کے ذکر سے
قرآن میں بھی ذکر ہے غلمان و حور کا
کرتا ہوں رنجِ دوریِ جاناں میں فکرِ شعر
مضمون کس طرح مجھے سوجھے نہ دور کا
جھک جھک کے شیشے ملتے ہیں ہنس ہنس کے جام مے
یہ مے کدہ، مقام نہیں ہے غرور کا

ناسخ، لگے جو سنگ تو سودا نے یہ کہا،
"ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا"

(۹۰)

جی لیتی ہے وہ زلفِ سیہ فام، ہمارا
بجھتا ہے چراغ آج سرِ شام ہمارا
ایسا کوئی گم نام زمانے میں نہ ہوگا
گم ہو وہ نگیں جس پہ کھدے نام ہمارا
اوّل تو نہ قاصد کو رہے، کوئے صنم یاد
پہنچے، تو فراموش ہو پیغام ہمارا

(۹۱)

آج مجھ کو دشتِ وحشت میں وطن یاد آگیا
بوئے گل کو بعد بربادی چمن یاد آگیا
کیوں نہ پھاڑوں پیرہن، پیراہنِ گل کی روش
فصلِ گل آئی، مجھے دیوانہ پن یاد آگیا
ہوں جو یوں خاموش، اے ہمدم نہیں تجھ سے وفا
آج مجھ کو وہ حسینِ کم سخن یاد آگیا

(۹۲)

اس ادا سے چلے جو یار اپنا
نقشِ پا کیوں نہ ہو مزار اپنا
آپ میں آئیں، جائیں یار کے پاس
کب سے ہے ہم کو انتظار اپنا

بے خودی میں یہ کون یاد آیا
خود بہ خود دل ہے بے قرار اپنا

(۹۳)

دیجیے اُترا پیرہن اپنا ماہِ کنعاں کرے کفن اپنا
دشتِ غربت میں دیکھ کر تجھ کو آج بھولا مجھے وطن اپنا
لب یمن، رُخ حلب، نہیں زلفیں
آپ نے کیا کیا ختن اپنا

(۹۴)

اے ہم سفر نہ پوچھ عبث ہے کہاں سرا
ہم ہیں مسافر اور جہاں کارواں سرا
ناسخ وطن میں دیکھیے، دیکھیں گے گھر کو کب
غربت میں مدتوں سے ہے اپنا مکاں سرا

(۹۵)

میرے رونے کے سبب سے قدِ جاناں بڑھ گیا
خوب جو بارش ہوئی، سرو گلستاں بڑھ گیا
چشمِ کم سے خلق کی جانب نظر کرنے لگا
اپنے رُتبے سے ذرا جب کوئی انساں بڑھ گیا
تھا مجھے جب جوشِ وحشت، تنگ آتا تھا نظر
گھٹ گئی جو طاقتِ پا، کیا بیاباں بڑھ گیا

— ؛ —

(۹۶)

میں نے جو دردِ جدائی سے کیے ہیں نالے
کیجیے تن سے مرا سر پئے تعذیر جدا
آشنا متحد اس درجہ کہاں ہوتے ہیں
آپ دلگیر ہے ناسخ، جو ہے دلگیر جدا

(۹۷)

دم بلبلِ اسیر کا تن سے نکل گیا
جھونکا نسیم کا جوں ہی سن سے نکل گیا
سنسان مثل وادیٔ غربت ہے لکھنؤ
شاید کہ ناسخ آج وطن سے نکل گیا

(۹۸)

ہے اس جہاں سے جدا ان دنوں جہاں اپنا
زمین سے ہے کہیں پست آسماں اپنا
حواس و ہوش اڑیں، دیکھ کر کہیں اس کو
وہ یوسفؑ آئے تو ہو کارواں رواں اپنا
ہمارے نام کو کیا آج جان بھولے ہو
کہیں نہ پاؤ گے ڈھونڈھے سے کل نشاں اپنا
سفر چلے ہیں، تو اس بت سے مل لیں اے ناسخ
خدا ہی جانے کہ جانا ہو اب کہاں اپنا

— ۲ —

جوشِ سودا ہے سوادِ شبِ ہجراں اپنا
نہ ہوئی صبح، ہُوا چاک گریباں اپنا
نہیں مُمکن کہ کوئی خارِ تعلّق چبھ جائے
اپنے دامن کو سمیٹے ہے بیاباں اپنا

(۱۰۰)

پوچھنے کی نہیں سیلابِ بلا کو حاجت
جانتا ہے مرے ویرانے کو وہ گھر اپنا
اتنی مُدّت سے ہوں میں وادیٔ وحشت میں خراب
کہ وطن جاؤں تو پاؤں نہ کبھی گھر اپنا
دھیان اُس کوچے کا، ناسخ جو ہے مانندِ حسن
"گھر میں ہم رہتے ہیں اور ڈھونڈھتے ہیں گھر اپنا"

(۱۰۱)

ہاتھ میرا ہے، ہاتھ گُل چیں کا
روئے جاناں ہے، پھول نسریں کا
طبعِ رنگیں ہی کافی ہے ناسخ
شوق کب ہے لباسِ رنگیں کا

(۱۰۲)

وہ روئے کتابی تو ہے قرآن ہمارا
کہتے ہیں جسے عشق، ہے ایمان ہمارا

ہاتھوں کی شکایت ہے ہمیں دشتِ جنوں میں
پاؤں میں اُلجھتا ہے گریبان ہمارا
ہم خانہ خرابوں سے ملے کیا کوئی آکر
دروازۂ اُفتادہ ہے دربان ہمارا
رہتا ہے ہمیں دھیان تمھارا ہی ہمیشہ
تم کو نہیں آتا ہے کبھی دھیان ہمارا
ہر بیت میں اک شاہدِ معنی کی ہے تصویر
ناسخ ہے مُرقّع، نہیں دیوان ہمارا

(۱۰۳)

جوشِ سودا نے بچایا لشکرِ غم سے مجھے
گردِ سنگ کودکاں سے قلعہ سنگیں ہوگیا
سُبحہ را بگسست و از بہرِ کمر زنّار ساخت
مثلِ بیدل، اِن دنوں ناسخ بھی بیدیں ہوگیا

(۱۰۴)

پیکِ فرخندہ فال آپہنچا
پھر پیامِ وصال آپہنچا
دشت سے کب وطن کو پہنچوں گا
کہ چھٹا اب تو سال آپہنچا
آتے آتے جو پھر گیا ہے خواب
شاید اُس کا خیال آپہنچا

(۱۰۵)

تیرے پرتو نے کیا گنگا کو دریا نور کا
جس نے دیکھا ہر کو، سمجھا وہ شعلہ طور کا
ہجر میں کیا مئے کشی ناسخ کہ سودا کی طرح
زخم نے دل کے نہ دیکھا منھ کبھی انگور کا

(۱۰۶)

جلوۂ رخسارِ جاناں سے نکل آتی ہے دھوپ
وصل کی شب میرے ویرانے میں ہو جاتی ہے دھوپ
شام ہو جاتی ہے، چڑھتی ہی نہیں دیوار پر
روزِ فرقت کیا زمیں پر پاؤں پھیلاتی ہے دھوپ

(۱۰۷)

ٹلتا ہی نہیں ہجر کا دن، کیا ہے اڑی دھوپ
خورشیدِ قیامت نے مرے گھر میں جڑی دھوپ
کیا لال ہوئی ہیں مری زنجیر کی کڑیاں
پڑتی ہے غضب وادیِ وحشت [illegible] دھوپ
سر کا شبِ تاریک میں داغوں سے جو پھاہا
اک خلق مرے سامنے کھاتی ہے کھڑی دھوپ

(۱۰۸)

فرقت میں مجھ کو دوزخِ غربت قبول ہے
کیا کام اگر وطن میں ہے ہر رہ گزر بہشت

میں وہ نہیں کہ یادِ وطن میں ہلاک ہوں
پروانہ ہو مجھے، جو نہ آئے نظر بہشت
اغیار کی جو سعی سے (ق) بالفرض جاؤں میں
واللہ، ہو نگاہ میں مثلِ سقر بہشت
مجھ کو نوائے بلبلِ سر سبز از یاد ہے
یا لکھنؤ کہ منھ نہ کرے ہو اگر بہشت
حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است
رفتن بپای مردیِ ہمسایہ در بہشت

(۱۰۹)

ہے جدائی دشمنِ جاں الغیاث
الغیاث اے وصلِ جاناں الغیاث
تنگ نامردوں کے جوروں سے ہوں میں
الغیاث اے شاہِ مرداں الغیاث
تا کجا اعدا کی گیدڑ بھبکیاں
الغیاث اے شیرِ یزداں الغیاث
مرچلا یادِ لبِ جاں بخش میں
الغیاث اے آبِ حیواں الغیاث
مزرعِ اُمید ناسخ خشک ہے
الغیاث اے ابرِ احساں الغیاث

—٭—

(۱۱۰)

تو وہ یوسفؑ ہے کہ اب منتظری میں اے جاں
مثلِ یعقوبؑ ہوئی چشمِ خریدار سفید
شاید ان کو نہیں اس کی سیاہی کی خبر
کر رہے ہیں جو مری بہر کو معمار سفید
بعد اک عمر کے ناسخ کی جواب آمد ہے
لکھنؤ کے ہوئے سب کوچہ و بازار سفید

(۱۱۱)

میرے ہاتھوں نے گریباں کے کیے تار پسند
میرے پاؤں نے بیاباں کے کیے خار پسند
دل لگایا ہے کہیں نام خدا تو نے بھی
ورنہ کیوں آتے ہیں او بت تجھے اشعار پسند
غیر کے دل سے مرا دل ہے اگر خوب تو کیا
ہے وہی جنس، کرے جس کو خریدار پسند
بات کس سے کروں، چپکی مجھے لگ جائے نہ کیوں
وہ نہیں، ہائے، مجھے جس کی [illegible] پسند

(۱۱۲)

قدر اپنی، تیری مدح سے ہے جانِ جاں بلند
آواز جیسے ہوتی ہے وقتِ اذاں بلند
ادنا جو ہیں، نہ ہوں گے وہ اعلا کسی جگہ
ہر جا زمین پست ہے اور آسماں بلند

ملتا نہیں زمین پر اُن کا نشاں کہیں
تا آسمان دیکھے ہیں جن کے مکاں بلند

(۱۱۳)

تو رُلاتا ہے جو اے جان، تو میں رُوتا ہوں
خُود بہ خُود سیپ سے گر جاتے ہیں گوہر باہر
نالۂ چشم میں بے یہ نیند آنے لگی
مُردمِ دیدہ یہ چلّائے کہ باہر باہر
کفِ افسوس کے ملنے کو کفن سے ناسخ
نکلے تھے بعدِ فنا دستِ سکندر باہر

(۱۱۴)

ہوش میں آتا ہے انساں، مرگِ انساں دیکھ کر
یاد آتا ہے وطن گورِ غریباں دیکھ کر
ڈیوڑھیوں پر بہرِ حفظِ جاں عبث ہے بندوبست
موت پھر جاتی ہے رُکتی چوبِ درباں دیکھ کر

(۱۱۵)

مُردوں کو جلاتی ہے ترے ناز کی آواز
اعجاز کا اعجاز ہے آواز کی آواز
ناسخ کی غزل سُن کے کہا کرتے ہیں شاباش
آتی ہے مجھے حافظِ شیراز کی آواز

(۱۱۶)

ابروئے یار سے یوں کرتی ہے تلوار گریز
جیسے تلوار سے کر جائے کوئی مار گریز

دھوپ میں جاتے ہیں تو ابر کے سایے کی طرح
ہم سے کرتا ہے ترا سایۂ دیوار گریز

میرے اشعار میں لاحول کی تاثیر ہے کیا
یار سے سنتے ہی کر جاتے ہیں اغیار گریز

ظفر و فتح مبارک ہو تجھے اے ناسخ
کر گیا معرکے سے دشمنِ غدار گریز

(۱۱۷)

فصلِ گل میں گھر مرا ہوتا ہے ویراں ہر برس
اے جنوں، آباد کرتا ہوں میں زنداں ہر برس

گل نہیں، کھلتا ہے ناسخ کا یہ دیواں ہر برس
بلبلیں ہوتی ہیں گلشن میں غزل خواں ہر برس

کیا گرہ دینے میں نادانی سے کرتے ہیں خوشی
فی الحقیقت ہوتی ہے کم عمر انساں ہر برس

گرد طن میں فصد ہوتی تھی، یہاں غربت میں بھی
کار نشتر کرتے ہیں خارِ مغیلاں ہر برس

ہے محرم، نخل ماتم کے لئے فصلِ بہار
تازہ ہوتا ہے غمِ شاہ شہیداں ہر برس

اِس قدر جوشِ جنوں ہوتا ہے اے ناسخ مجھے
آپ اپنے سے میں ہوتا ہوں، گریزاں ہر برس

(۱۱۸)

پیے جاؤں نہ مے کیوں ساقیا قرض
کریں گے ساقیِ کوثر ادا قرض
دِلا ہے بھیگ بے گانوں سے بہتر
نہ مانگے آشنا سے آشنا قرض
گریباں چاک کرنے کا جو ہے شوق
جنوں، لیتا ہوں کپڑے جا بجا قرض
جو میں افلاس میں نکلا سفر کو
برائے راہ زن کچھ لے لیا قرض

(۱۱۹)

دل تو کہتا ہے کہ چل کوچۂ جاناں کی طرف
حکمِ وحشت یہ ہے کہ عزمِ بیاباں کی طرف
ایسی نفرت ہے اگر خاک بھی میں ہو جاؤں
اُڑ کے جاؤں نہ کبھی کوچۂ جاناں کی طرف
جادہ ہو جائے مرے پاؤں کی زنجیر جنوں
گر اٹھاؤں میں قدم کوئے حسیناں کی طرف

(۱۲۰)

دکھلاتی ہے چمن میں جو فصلِ بہار رنگ
وحشت یہ مجھ سے کہتی ہے صحرا کے خار رنگ

ناسخ ہے میر سلمہ اللہ کی زمیں
اک معنی شگفتہ کو باندھا ہزار رنگ

(۱۲۱)

واعظا، مسجد سے اب جاتے ہیں مے خانے کو ہم
پھینک کر ظرفِ وضو، لیتے ہیں پیمانے کو ہم
باندھتے ہیں اپنے دل میں زُلفِ جاناں کا خیال
اِس طرح زنجیر پہناتے ہیں دیوانے کو ہم
عقل کھو دی تھی جو اے ناسخ جنونِ عشق نے
آشنا سمجھا کئے اک عمرِ بیگانے کو ہم

(۱۲۲)

حشر تک زیرِ زمیں، دو روز بالائے زمیں
جُز لحد دُنیا میں کچھ تعمیر کی حاجت نہیں
انتظارِ خط نے قاصد، کیں مری آنکھیں سفید
سادہ کاغذ بھیج دوں، تحریر کی حاجت نہیں
جب میں رُوتا ہوں تو کیا کہتا ہے وہ شیریں ادا
مثلِ شیریں مجھ کو جوئے شیر کی حاجت نہیں
میں ہی اے ناسخ نہیں کچھ طالبِ دیوانِ میر
کون ہے جس کو کلامِ میر کی حاجت نہیں

(۱۲۳)

جو ترے عشق میں ہلاک نہیں
زندگانی میں لطف خاک نہیں

خاک سے کیوں ہے اجتناب ایسا
ایک دن غیرِ خاک، خاک نہیں
دل پہ ظاہر ہے حال ہر دل کا
اِس نگر میں کدھر کی ڈاک نہیں
کیوں جنوں ہو نہ مُجھ کو پیری میں
کب گریبانِ صبح چاک نہیں
ہائے ناسخ فراقِ جاناں میں
کون سی رات ہولناک نہیں

(۱۲۴)

چاک کرنے کی نہیں پاتا ہوں طاقت ہاتھ میں
ہے گریباں دیر سے اے جوشِ وحشت ہاتھ میں
ہاتھ اُن کے چُوم لیتا ہوں، تو کیا کہتا ہے وہ
ہیں لکیریں، یا کوئی لکھی ہے آیت ہاتھ میں
انتظارِ نامہ بر میں ہوگیا ایسا ضعیف
نامۂ محبوب لیتا ہوں بہ دقت ہاتھ میں
ارمغاں لے جاؤں ناسخ، سوئے گلزارِ وطن
چُن لیے ہیں خار ہائے دشتِ غربت ہاتھ میں

(۱۲۵)

اُس عزیز القدر کی دیکھی ہے صورت خواب میں
آج یوسفؑ کی ہوئی گویا زیارت خواب میں

اس لیے نالوں سے خلقت کی اڑا دیتا ہوں نیند
دیکھ پائے تا نہ کوئی اُس کی صورت خواب میں
جب میں کہتا ہوں کہ میرے وصل سے جاگیں گے بخت
ہنس کے کہتا ہے وہ از راہِ ظرافت: "خواب میں

(۱۲۶)

غیر جب کہتا ہے، اُس پر میں مرتا ہوں، تب آہ
وہ تو کیا مرتا ہے، بس غیرت سے مرجاتا ہوں میں
آنکلتا ہے کبھی، پر بات وہ کرتا نہیں
بولتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ اب جاتا ہوں میں
دوڑتے ہیں پاؤں جب دامانِ صحرا کی طرف
ہاتھ بھی سوئے گریباں ساتھ دوڑاتا ہوں میں

(۱۲۷)

ہر بات سے ہے، دوسری بات اُس کی مخالف
اقرار زباں پر ہے تو انکار گلے میں
کیا بادہ کشو! مجلسِ مے ہو گئی برہم
قطرے ابھی اُترے نہیں دو چار گلے میں
ہے دست دراز اپنا جنوں، دور ہو ناصح
آجائے گی سر سے ابھی دستار گلے میں
مومن ہوں، مگر ہے کسی کافر سے مجھے عشق
تسبیح تو ہے ہاتھ میں زنار گلے میں

طاقت نہیں اب اتنی کہ ناسخ میں کروں دور
دو چار گریباں کے جو ہیں تار گلے میں

(۱۲۸)

ہمیں کیا، ابرِ نیساں سے اگر گوہر برستے ہیں
کہ اپنی پشت پر تو جائے آب اخگر برستے ہیں
دُعا باراں کی جب میں مانگتا ہوں وقت مے خواری
تو ساقی میرے شیشوں پر وہیں پتھر برستے ہیں
اُسی کو دیتے ہیں ہوتے ہیں جس سے منتفع منعم
کہ بادل سے سمندر ہی میں بس گوہر برستے ہیں
اُدھر اُٹھے ہیں بادل اور ادھر ناسخ ہوئیں گریاں
مُقابل ہو کے دیکھوں تو بھلا کیوں کر برستے ہیں

(۱۲۹)

اے مُغنّی، سُن مرے نالے ذرا پردیس میں
درد ہے ایسا بھلا کاہے کو تیرے دیس میں
میرے ساغر کو نہ سختی سے ڈھکیل اے مے فروش
شیشۂ دل ٹوٹ جاتا ہے ذرا سی ٹھیس میں
ہے سفر ظاہر میں ناسخ، چشمِ باطن سے مگر
دیکھتا ہوں دیس کو دن رات میں پردیس میں

(۱۳۰)

کیا غرض غیر سے، جب یار (سے کچھ) کام نہیں
گُل سے کچھ کام نہیں، خار سے کچھ کام نہیں

تیغ کافی ہے مجھے اپنا گلا کاٹنے کو
خنجرِ ابروے خم دار سے کچھ کام نہیں

مرضِ عشق سے دے مجھ کو شفا اے شافی
اب تری نرگسِ بیمار سے کچھ کام نہیں

گھر میں اب چین سے بیٹھوں کہ وہ سودا نہ رہا
گردشِ کوچہ و بازار سے کچھ کام نہیں

شبِ تاریکِ لحد کا ہے تصور مجھ کو
ہجرِ جاناں کی شبِ تار سے کچھ کام نہیں

ساغرِ عمر لبالب نظر آتا ہے مجھے
ساقی و خانۂ خمار سے کچھ کام نہیں

کیجیے سایۂ طوبا میں بہ خوبی آرام
یار کے سایۂ دیوار سے کچھ کام نہیں

اسد اللہ ہیں کونین میں کافی ناسخ
ایک سے کام ہے دو چار سے کچھ کام نہیں

(۱۳۱)

کاٹے کھاتا ہے گھر جدائی میں
کامِ اژدر ہے در جدائی میں

جان پا جاؤں، زندگی جائے
موت آ جائے گر جدائی میں

کاش کر دے کوئی بدن سے جدا
ہے غضب درد سر جدائی میں

(۱۳۲)

کیا گنہ، ذکر پری ہے گر مرے اشعار میں
سورۂ جن کیا نہیں اے زاہدو قرآن میں
بھر رہے ہیں میرے اشعار، ان دنوں ہر کان میں
اس قدر پیدا نہیں ہوتے جواہر کان میں
چشم کی گردش نے مارا، شکوۂ ابرو نہیں
ہے نہیں تلوار سے تیزی زیادہ اس سان میں
یہ زمین اچھی نہ تھی ناسخ و لیکن فکر نے
حسن پیدا کر دیا ہے نون کے اعلان میں

(۱۳۳)

دخل یاں جز عکسِ سلطاں، عکس لشکر کا نہیں
دل ہمارا ہے کچھ آئینہ سکندر کا نہیں
اُڑتے پھرتے ہیں گریبانوں کے پرزے قاصدا
کچھ پتا اس سے زیادہ کوئے دلبر کا نہیں
خشت ہائے کوئے جاناں سے تسلی ہو تو ہو
سر مرا مشتاق لڑکو، اور پتھر کا نہیں
پاک بازوں کے سوا کوئی ہو کیوں کر باریاب
یہ درِ جنت ہے، دروازہ ترے گھر کا نہیں

(۱۳۴)

وہ نہیں بھولتا، جہاں جاؤں
ہائے میں کیا کروں، کہاں جاؤں

یہ نہیں چاند، ہے وہی محبوب
کس طرح تا بہ آسماں جاؤں
خاک اڑاتا ہوا ہر اک بن میں
صورتِ گردِ کارواں جاؤں
ہے مجھے گور اس کے گھر سے قبول
کیا رقیبوں کے درمیاں جاؤں
گھر میں بیٹھا رہوں توکل پر
سچ ہے ناسخ، کہاں کہاں جاؤں

(۱۳۵)

چشمِ اُمید کو جس دن سے کیا یاس نے کور
سب برابر ہیں نظر میں، کوئی ممتاز نہیں
ست ناسخ مجھے رکھتا ہے کلامِ حافظ
میرے ساغر میں بجز بادۂ شیراز نہیں

(۱۳۶)

مجھ کو اب ساقیٔ گل فام سے کچھ کام نہیں
مَے سے کچھ کام نہیں، جام سے کچھ کام نہیں
دل کو خوش آئی ہیں صحرا کی ببولیں پُر خار
اب کسی سروِ گل اندام سے کچھ کام نہیں
خانہ برباد ہوں صحرا میں بگولوں کی طرح
سقف و دیوار و در و بام سے کچھ کام نہیں

طبعِ روشن کو نہیں خوفِ سیہ روزی کا
صبحِ محشر ہوں، مجھے شام سے کچھ کام نہیں
اتنی مدت سے ہوں غربت میں، وطن بھول گیا
مجھ کو اب نامہ و پیغام سے کچھ کام نہیں

(۱۳۷)

گو یہ غم ہے کہ وہ حبیب نہیں
پر خوشی ہے، کوئی رقیب نہیں
مدتوں سے ہوں، جانتا ہوں وطن
دشتِ غربت میں، میں غریب نہیں
جیتے جی پاؤں، دوست کا دیدار
ناسخ ایسے مرے نصیب نہیں

(۱۳۸)

سنگِ غم دل کو لگتے ہیں ہر دم
کب مرا شیشہ پاش پاش نہیں
آنکھ کی بند، بت ہوا موجود
کوئی مجھ سا بھی بت تراش نہیں
چپکے کھاتے ہو ٹھوکریں پسِ مرگ
آج وہ شورِ دور باش نہیں
چل دلا دیکھیں اور نگری کو
اب یہاں طورِ بود و باش نہیں

(۱۳۹)

خوں فشاں چھالے ہیں مثلِ چشمِ گریاں پاؤں میں
خارِ صحرا بن گئے چبھ چبھ کے مژگاں پاؤں میں
جھک گیا ہوں ضعف سے، راہِ طلب میں اس قدر
چبھتے ہیں ہر ہر قدم پر خارِ مژگاں پاؤں میں
شہر کی جانب جو چلتا ہوں تو اٹھتے ہی نہیں
لگ گئی جب سے جنوں، خاکِ بیاباں پاؤں میں

(۱۴۰)

روئے تابندہ پر اب زلفِ سیہ فام نہیں
روز روشن ہی ترے عہد میں ہے شام نہیں
خواب میں سارے مزے وصل کے ہم لوٹتے ہیں
بند آنکھیں ہیں، مگر بند کوئی کام نہیں
عمر گزری کہ شب و روز جدائی ہے رہی
میری قسمت میں مگر گردشِ ایام نہیں

(۱۴۱)

لگنے دو خاکِ کوچۂ دلدار پاؤں میں
پاپوش کچھ نہیں مجھے درکار پاؤں میں
اٹھکھیلیوں سے چلتے ہو تم، مجھ کو ڈر یہ ہے
الجھیں کہیں نہ گیسوئے خم دار پاؤں میں
پھر پھر کے دائرے ہی میں رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردشِ پرکار پاؤں میں

(۱۴۲)

نہ پانی پیتے جو دیکھا ہو ابر کو یم سے
ہمارے دیدۂ گریاں پہ آستیں دیکھو
جو ہم فنا ہوں، تو لازم ہے اے نظر بازو!
ہمیں بھی یاد کرو، جب کوئی حسیں دیکھو
"نہیں" سے باز آؤ، نہیں تو ہم بھی نہیں
نہیں ہے، خوب یہ ہر دم "نہیں نہیں" دیکھو
جو کان پور سے ناسخ چلو بنارس کو
مزارِ پاکِ جنابِ علی حزیں دیکھو

(۱۴۳)

میں حزیں آوارۂ غربت جو ہوں،
ان دنوں بیت الحزن ہے لکھنؤ
پھیلے ہیں مرے دُرِ نظم اس قدر
چشمِ عالم میں عدن ہے لکھنؤ
میں نہیں ناسخ تو کیا تاریک ہے
شمع ہوں میں، انجمن ہے لکھنؤ

(۱۴۴)

مرے دم سے تھا، بوستاں لکھنؤ
مگر ہو گیا اب، خزاں لکھنؤ
یہ اعلا مرے لکھنؤ کی ہے شان
زمیں ہے جہاں، آسماں لکھنؤ

ملاقات باہم رہی حشر پر
کہاں میں، کہاں تو، کہاں لکھنؤ
الٰہی یہ ناسخ کی ہے التجا
مرے دم سے ہو شادماں لکھنؤ

(۱۴۵)

آسماں کی کیا ہے طاقت جو چھڑائے لکھنؤ
لکھنؤ مجھ پر فدا ہے، میں فدائے لکھنؤ
تو نے دیکھے ہیں کہاں رنگیں ادائے لکھنؤ
لالہ و گل کے چمن ہیں کوچہ ہائے لکھنؤ
پچھم اور اُتر کے کونے سے چلی آتی ہے روز
بوئے زلفِ یار لے کر ہوائے لکھنؤ
دشتِ غربت میں نظر آتی ہے جب مہماں سرا
یاد آتی ہے مجھے عشرت سرائے لکھنؤ
بادشاہِ لکھنؤ کی ہو بیاں کس سے شکوہ
ہاتھ میں رکھتے ہیں جامِ جم گدائے لکھنؤ
تلخ اس دم مجھ کو اپنی جانِ شیریں ہو گئی
یاد جب آیا کوئی شیریں ادائے لکھنؤ
کب ہوا ہے ساکن و مسکن میں ایسا ارتباط
میں نہ جاؤں تو مرے پاس آپ آئے لکھنؤ

(۱۴۶)

بے قراری دشتِ غربت میں ہمارے ساتھ ہے
چھوڑ آئے کوچۂ جاناں میں ہم آرام کو
اوج پر جو لوگ ہیں، ہوتا ہے جلد اُن کا زوال
ہے ہوا تھوڑی سی بھی صرصر چراغِ بام کو
بھول جائے راہِ کوئے یار، ہے مجھ کو یقیں
یاد کر لے خوب قاصد گر مرے پیغام کو
سر جھکاتا ہی نہیں ناسخ خدا کے سامنے
ہے یہی اس کی سزا، سجدہ کرے اصنام کو

(۱۴۷)

ماہِ کامل ہو کر دُم شام سے تا صبح سیر
گھر سے باہر کیوں نہیں آتے ہو پیارے رات کو
ہجر میں مضطر ہوں لیکن ہے وہی اخفائے راز
چپکے رو لیتا ہوں، گنگا کے کنارے رات کو
وہ نظر آتا ہے مجھ کو، میں نظر آتا نہیں
خوب کرتا ہوں، اندھیرے میں نظارے رات کو
خوف آتا ہے رقیبِ بوم سیرت سن نہ لے
نام لے کر کیا تجھے ناسخ پکارے رات کو

(۱۴۸)

چوٹ دل کو جو لگے، آہِ رسا پیدا ہو
صدمہ شیشے کو جو پہنچے تو صدا پیدا ہو

اشک تم جائیں جو فرقت میں تو آہیں نکلیں
خشک ہو جائے جو پانی تو ہوا پیدا ہو
ابھی خورشید جو چھپ جائے تو درّات کہاں
تو ہی پنہاں ہو تو ہو کون بھلا پیدا ہو

(۱۴۹)

مجھ سے قاصد کہتے ہیں، خط کوئی پڑھتا ہی نہیں
رات دن کاغذ کیا کرتا ہے ناحق تو سیاہ
سبزہ ہے، گل ہیں، گھری ہے دونوں پر کالی گھٹا
رنگِ خط ہے سبز، چہرہ سُرخ ہے، گیسو سیاہ

(۱۵۰)

موت بندے کی جو صاحب آپ کو منظور ہے
آج بھی کوئی نہ آنے کا بہانا کیجیے
ہم بیاباں مرگ ہیں، یارو ہماری قبر پر
دامنِ دشتِ جنوں کا شامیانہ کیجیے
آب و گِل میں اُڑ گیا ہے توسنِ عمرِ رواں
توڑ کر تارِ نفس کو، تازیانہ کیجیے
کوئے جاناں گر نہیں تو کُنجِ زنداں ہی سہی
کوئی اے جوشِ جنوں، پیدا ٹھکانا کیجیے
رات دن غربت میں ناسخ بس یہی رہتی ہے فکر
کوئی خط لکھیے، کوئی قاصد روانا کیجیے

(۱۵۱)

دشتِ غربت میں نگاہ اپنی جدھر جاتی ہے
وہی کوچہ، وہی بازار نظر آتا ہے

مے پرست ایسے ہیں، سوتے ہیں اگر مسجد میں
خواب میں خانۂ خمّار نظر آتا ہے

یہ بھی اس ماہ کے کیا میری طرح عاشق ہیں
جو ستارہ ہے سو بیدار نظر آتا ہے

چلنے سے عمرِ رواں اپنی ٹھہر جاتی ہے
جب ترا جلوۂ رفتار نظر آتا ہے

تیغ قاتل تو کہاں، سنگ بھی لڑکوں کے نہیں
سر سودا زدہ بے کار نظر آتا ہے

چشم بیمار کا آزار بھی کیا ساری ہے
دیکھتا ہوں جسے نظر آتا ہے

ایسی فرقت میں ہے گردش کہ مرے رہنے سے
دائرہ صورتِ پرکار نظر آتا ہے

جھولیاں لڑکوں کی یاد آتی ہیں اے دستِ جنوں
جب ہمیں دامنِ کہسار نظر آتا ہے

گرچہ ہوں ہند میں، لیکن مجھے ناسخ ہر دم
روضۂ حیدرِ کرار نظر آتا ہے

(۱۵۲)

تیرے جور و ستم اے عہد شکن بھول گئے
رنجِ غربت میں وہ پائے کہ وطن بھول گئے
اس قدر مشق رہی نالہ و افغاں کی ہمیں
یادِ محبوب میں ہم، طرزِ سخن بھول گئے
اب تلک یاد نہ جنت میں کیا ناسخ کو
اپنے مدّاح کو یا شاہ زمن بھول گئے

(۱۵۳)

میں تو عریاں، دستِ وحشت کو گریباں کی طلب
ہے زبانِ خارِ صحرا پر کہ دامن چاہیئے
کوچۂ قاتل کو بھاگوں، صحبتِ احباب سے
دوستوں کو کیا کروں میں مجھ کو دشمن چاہیئے
دشتِ غربت سے وطن کو لے چلی پھر تو ہوس
مجھ کو بھی رہبر کے بدلے کوئی رہزن چاہیئے
ذوالفقار حیدری کی خشک ہے ناسخ زباں
بعدِ مدت اس کو تھوڑا خونِ دشمن چاہیے

(۱۵۴)

ساغرِ اُمید خالی رہ گیا تو رہ گیا
ساقیا ہم اپنا جامِ زندگانی بھر چلے
ضعف اگر جانے نہ دے ہم کو تو وہ دیں اس قدر
مثلِ کشتی کوئے جاناں کو ہمارا گھر چلے

تا عدم پہنچے، نہ پہنچے منزلِ مقصود کو
وادیِ غربت میں ہم پاؤں کے ہاتھوں مرچلے
مے کشی کے باب میں ناسخ جناب درد سے
سن لے مصرع: جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

(۱۵۵)

یک بہ یک عشق سے کیوں کر ہو مرا دل خالی
کہ بدن جان سے ہوتا ہے بہ مشکل خالی
نفع، پروردۂ آغوش سے پایا کس نے
موتیوں سے نہ ہو کیوں دامنِ ساحل خالی
یاد آیا مجھے کیا مصرعۂ گرم اے ناسخ
نفسِ سرد بھروں، تو بھی نہ ہو دل خالی[1]

(۱۵۶)

نہ ہوئے دیدۂ تر، اشکوں سے اک پل خالی
کبھی ہوتے نہیں پانی سے یہ بادل خالی
تھوڑی ہو خاکِ درِ یار بھی، تا دور ہو درد
نہ لگائے مرے سر پہ کوئی صندل خالی
ایک ہی دیکھتے ہیں، جن کی بصارت ہے درست
نورِ توحید سے ہیں دیدۂ احول[1] خالی
اس خرابے میں نہیں ہے کوئی دو دن آباد
آج معمور جو ہیں، ہوں گے وہ گھر کل خالی

(۱۵۷)

سر پھوڑنے چلا ہوں، میں کعبے کو زاہدا
جوشِ جنوں میں کیا ہی تمنائے سنگ ہے
حاضر ہے قتل ہونے کو ناسخ بھی مثلِ درد
گر نامِ عاشقی ترے نزدیک ننگ ہے

(۱۵۸)

یاں سے اشتی کو سن وہ محبوب ہے
وصل کا اب کون سا اسلوب ہے
مصحف اس ماہِ مبارک میں کہاں
درد مجھ کو یار کا مکتوب ہے
ہے گواہ اللہ اور اس کا رسولؐ
قاصدِ محبوب بھی، محبوب ہے

(۱۵۹)

عشق جب کامل ہوا، ہے عینِ حسن
آگ میں پڑ جائے جو شے، آگ ہے
دیتی ہے فوجِ فنا، پیہم شکست
لشکرِ ہستی میں بھاگا بھاگ ہے
جانتے ہیں جس کو سب تارِ نفس
توسنِ عمرِ رواں کی باگ ہے

(۱۶۰)

نامہ بر ہے ، نامۂ احباب ہے
ہائے بیداری ہے یا یہ خواب ہے
تین تر بینی ، تو دو آنکھیں مری
اب الٰہ آباد بھی پنجاب ہے
رو رہا ہوں کیا الٰہ آباد میں
دائرہ جو ہے یہاں گرداب ہے
قاصدا پرزے اُٹھا لے جیب کے
یہ جوابِ نامۂ احباب ہے

(۱۶۱)

یاں ہنسی لب پر ہے ، دل میں درد ہے
راز رکھتا ہے نہاں جو ، مرد ہے
فصلِ گل ہے ، کیوں نہ ہو ہم پر بہار
سُرخ آنسو ہیں تو چہرہ زرد ہے
قاصدِ محبوب کی آمد نہیں
اس لئے ہر شعر میں آورد ہے

(۱۶۲)

دُور اوغربت ، وطن نزدیک ہے
مُرغِ جاں خوش ہو چمن نزدیک ہے
ہے شکستہ گر عقیقِ دل تو کیا
اور لے لیں گے ، یمن نزدیک ہے

خندۂ دنداں نمائے یار دیکھ
لکھنؤ کیسا عدن نزدیک ہے
کر وضو ناسخ برائے فاتحہ
روضۂ شاہ زمنؑ نزدیک ہے

(۱۶۳)

جب سے ہے پنہاں نظر سے عیش باغ
چشمِ گوہر بار موتی جھیل ہے
یوسفؑ ثانی جو ہے وہ خود فروش
کان پور ہے مصر، گنگا نیل ہے

(۱۶۴)

آ گئے ہیں کس قدر ہم بھی فریب عشق میں
بت کو اک مدت تلک سمجھا کیے اللہ ہے
کیا عجب ایں کا اگر بھولا ہوں میں راہِ وطن
یاد غربت میں مجھے جورِ بتِ گمراہ ہے
ہو گیا مثلِ شب دیجور بخت اپنا سیاہ
سال بھر گزرا کہ نظروں سے نہاں وہ ماہ ہے
کیا تنزل میں ترقی ہو گئی ناسخ مجھے
گر نہیں دربار تو اللہ کی درگاہ ہے

(۱۶۵)

تھوڑے کانٹے چن کے رکھ دو، ہم بیاباں مرگ ہیں
کیا ہماری قبر پر پھولوں کی چادر چاہیے

اپنے دل میں دونوں رکھتے ہیں برابر مجھ کو یاد
ہو سکے تو دوست دشمن کو برابر چاہیے
تھوڑے سے کانٹے بیاباں میں بچھا دے اے جنوں
میرے پائے خواب آلودہ کو بستر چاہیے
بھیج ناسخ لکھ کے یہ اشعار سوئے لکھنؤ
طائرِ معنی کو اب کاغذ کا شہ پر چاہیے

(۱۶۶)

خود فروشی کے لیے آپ جو بازار چلے
نقدِ جاں لے کے ہزاروں ہی خریدار چلے
تنگیٔ عالمِ امکاں کی یہ قاطع ہے دلیل
آئے دو چار جو اس میں، وہیں دو چار چلے
پیر صاحب نہ خفا ہو تو ابھی ہاتھوں ہاتھ
تا سرِ پیرِ مغاں آپ کی دستار چلے

(۱۶۷)

اِن دنوں اپنے جنوں کا زور ہے
کو دکانِ سنگ زن کا شور ہے
دشتِ غربت میں مرے مر رہنے کو
جو گڑھا آیا نظر وہ گور ہے
رات کو چوری چھپے پہنچا جو میں
غل مچایا اُس نے: "دوڑو! چور ہے"

(۱۶۸)

وہ نہیں آتا، تو کوئی بھی نہ آئے
رات دن دروازہ اپنا بند ہے
کیا ہوا سے کھل گیا دروازہ آج
کوچۂ جاناں میں رستہ بند ہے

(۱۶۹)

کیا ہی وہ دشمنِ قاصد ہے کہ دہشت ہے مجھے
نہ کہیں منکرِ جبریل و پیمبر ہو جائے
نہ کبھی شکل تری دیکھے نہ آواز سنے
اے پری غیر، کرو کوشش برابر ہو جائے
زیبِ اورنگ ہوا ہے شہِ عادل ناسخ
کیوں نہ نوروز کو دن رات برابر ہو جائے

(۱۷۰)

پہروں ہی بات مرے منہ سے نکل سکتی نہیں
یاد آجاتی ہے تیری جو کوئی بات مجھے
فرقتِ یار میں انسان ہوں میں یا کہ سحاب
ہر برس آکے رُلا جاتی ہے برسات مجھے
جتنے ادنا ہیں، سمجھتا ہوں میں اعلا ناسخ
صاف خورشید نظر آتے ہیں ذرات مجھے

(۱۷۱)

پڑھ کے خط اُس بے وفا نے، جو نہ کہنا تھا کہا
آنکھ کر سکتا نہیں میں نامہ بر کے سامنے
پہلی منزل گور اُس میں، اس میں منزل ہی نہیں
کیا ہے دُنیا سے سفر، میرے سفر کے سامنے

(۱۷۲)

باغِ ہستی میں ہمیں بس نخلِ ماتم چاہیئے
دے خوشی اوروں کو او گردوں ہمیں غم چاہیئے
ہے بہت کچھ دینے کو ہر چند حاضر آسماں
پر کرے کیا، میں ہی کہتا ہوں مجھے کم چاہیئے

(۱۷۳)

پُر ہیں شیشے[۱] تو جام خالی ہے
گردشِ آسماں نرالی ہے
سفلوں سے پوچھتا ہوں غربت میں
کہیئے کیسا مزاجِ عالی ہے
واعظا، ہو نہ درپے ناسخ
عاشق و رندِ لا اُبالی ہے

(۱۷۴)

سیلِ اشک آنکھوں سے جاری ہجر میں دن رات ہے
تیس دن، بارہ مہینے اپنے گھر برسات ہے

رات کا اے ماہ تاباں پوچھتا ہے حال کیا
جانتے ہیں دن کو تیرے ہجر میں ہم رات ہے

(۱۷۵)

وہ ہے پاس، جس کو دلا چاہتا ہے
تڑپتا ہے کیوں، اور کیا چاہتا ہے
بتوں سے محبت نہیں مجھ کو از خود
کہ ہوتا ہے وہ، جو خدا چاہتا ہے
بروں سے برا آپ کو جانو تو،
اگر اے دل اپنا بھلا چاہتا ہے
اگر جان جاؤں تو بھڑکاؤں اس کو
جسے وہ بت بے وفا چاہتا ہے

(۱۷۶)

دل ایک بت پہ شیدا ہوا چاہتا ہے
خدا جانے اب کیا ہوا چاہتا ہے
جنوں، ضعف اگر یوں ہی زنجیرِ پا ہے
تو زنداں ہی صحرا ہوا چاہتا ہے

(۱۱۷)

کس طرح پاؤں خبر میں، کوے جاناں دور ہے
نکہتِ گل آ نہیں سکتی، گلستاں دور ہے
ناتوانی سے پہنچ سکتا نہیں ہاتھ اے جنوں
دامنِ صحرا سے بھی اپنا گریباں دور ہے

(۱۷۸)

کون اے بُت ہے تو، خُدا جانے
کفر کیا شے ہے، کوئی کیا جانے
دل کو، پوچھا جو میں نے وہ بولے
"کہیں ہوگا، مری بلا جانے"
کشتی اُس کی نہ ڈوبے صورتِ موج
جو کہ طوفاں کو ناخدا جانے

(۱۷۹)

لاکھوں ہی نام در ہوئے دُنیا میں بے نشاں
اک گور میں ہیں کتنے سکندر بھرے ہوئے
اُس خط سبز و روے کتابی کے وصف میں
ناسخ ہمارے پاس ہیں دفتر بھرے ہوئے

(۱۸۰)

روئے ناصح اپنے مُنھ پر رکھ کے داماں تو سہی
اب کی یاں پائے نہ اک تارِ گریباں تو سہی
دشتِ غربت میں وطن کے یاد آتے ہیں چراغ
کور کر دوں دیدۂ غول بیاباں تو سہی
تیرگی دیکھی بہت، اب آفتاب داغ سے
صُبح کر دوں تجھ کو اے شامِ غریباں تو سہی
رہن رکھوا کر ترا عمامہ دلوا دوں شراب
زاہدا تجھ کو کروں مرہونِ احساں تو سہی (ن ۲، ۱)

(۱۸۱)

ایک ہفتے سے ہم ساتوں میسر ہیں مجھے
دشت، دریا، سبزہ، ساقی، شیشہ ساغر چاند
دل سیہ ہے، بال سب اپنے ہیں پیری میں سفید
گھر کے اندر ہے اندھیرا اور باہر چاندنی

(۱۸۲)

جنبشِ لب کی طرف اغیار کی رہتی ہے آنکھ
کان میں اُس کے کروں کیونکر میں باتیں راز کی
یار سے کہتا ہے، بیٹھا ہے تصوّر باندھ کر
چپ جو رہ جاتا ہوں، صورت دیکھ کر غمّاز کی
کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور
یاد رکھ یہ بات ناسخ حافظِ شیراز کی

—:—

انتخاب دیوانِ سوم

"دفترِ شعر"

(۱۲۵۴ھ، ۱۸۳۸ء)

(۱۸۳)

آج مولد ہے جنابِ احمدِ مختار کا
خار زارِ دہر میں عالم ہُوا گلزار کا

کیا شمیمِ زُلفِ مشکیں پھیلی ہے چاروں طرف
لکھنؤ پر شبہ ابہ ہونے لگا تاتار کا

ہو مُبارک تا صد و سی سال چترِ سلطنت
سایہ افگن ہو سدا رایت علم بردار کا

جو ابوالفتح معین الدین غازی سے پھرے
کشتہ ہو وہ ذوالفقارِ حیدرؑ کرار کا

بادشہ میرا رہے دائم صحیح و تندرست
واسطہ دیتا ہوں یارب عابدِ بیمار کا

(۱۸۴)

جلوہ فرما بام پر وہ ماہ جس شب ہو گیا
بدر ایسا گھٹ گیا دم میں کہ کوکب ہو گیا
وصف جو موزوں کیے اس کے سنہری رنگ کے
خود بہ خود ہر صفحۂ دیوان مذہّب ہو گیا
ہیں جو عاشق، تربیت سے اور ہوتے ہیں خراب
باعثِ دیوانگی مجنوں کو مکتب ہو گیا
پھر کسی محبوبِ معنی فہم سے اُلفت ہوئی
پھر نیا دیوان ناسخ کا مُرتّب ہو گیا

(۱۸۵)

انسان کو انسان سے کینہ نہیں اچھا
جس سینے میں کینہ ہو وہ سینا نہیں اچھا
آواز یہ آتی ہے لبِ آبِ بقا سے
مرنا ہی یہاں خوب ہے جینا نہیں اچھا

(۱۸۶)

کوئی مضمون ہوتا ہے طبیعت سے اگر پیدا
یہ ہوتی ہے خوشی مجھ کو ہوا گویا پسر پیدا
نہیں تیرے لب و دنداں، خدا نے اپنی قدرت سے
کیے بے کوہ و دریا واہ کیا لعل و گہر پیدا
کہاں پرواز کی اے ہم صفیرو، میں نے گلشن میں
قفس میں بس پھڑکنے کو ہوئے ہیں بال و پر پیدا

کروں میں اے جنوں بے یار کب تک چاک پیراہن
کہیں ہو دامنِ شب سے گریبانِ سحر پیدا
رہے صندل مبارک تیری پیشانی کو او کافر
یہاں پتھر ہوئے بہرِ علاجِ دردِ سر پیدا

(۱۸۷)

ابدا، حاجت روا ہو جا کسی محتاج کا
کل نہ تو ناکام ہوگا، کام کر لے آج کا
کوئی دم فرصت جسے مل جائے، سمجھے مغتنم
رہ گیا بس جس نے رکھا کام کل پر آج کا

(۱۸۸)

زہر گیسو کا بہت ہے، اور تھوڑا سانپ کا
تیری کنگھی نے صنم ہر دانت توڑا سانپ کا
دفن بانبی میں ہوا میں ناتواں مرنے کے بعد
عاشق گیسو، جو تھا، پیچھا نہ چھوڑا سانپ کا
ہے بجا یہ دونوں زلفوں کا مقام ابرو کے پاس
پیش ازیں کعبے میں بھی تھا ایک جوڑا سانپ کا

(۱۸۹)

کیا ہی منھ کرتا ہے ٹیڑھا، دیکھتا ہے جب مجھے
کر دے یارب، روئے دشمن لقوے کا آزار کج
ہیں کجی میں مردمِ کج طبع بھی کتے کی دم
راست ان کو کیجیے سو بار، ہوں سو بار کج

(۱۹۰)

جز قتل کیا ہے عشق کے بیمار کا علاج
سو آپ روز کرتے ہیں دو چار کا علاج
موسیٰ کو بھی خبل یہی تا زندگی رہا
عیسیٰ سے کیا ہو لکنت دلدار کا علاج
جز مشتِ خاک اور نہیں خاک مئے کشو!
زخم دہانِ واعظِ مکار کا علاج
منگواؤ جائے خاکِ شفا، خاکِ کوئے یار
منظور ہے جو ناسخِ بیمار کا علاج

(۱۹۱)

لے کے خط جا شتاب اے قاصد
جلد لے آ جواب اے قاصد
جلد گنگا اُتر کہ زیست مری
ہے بسانِ حباب اے قاصد
تیرے دل میں کہیں کرے تاثیر
یہ مرا اضطراب اے قاصد
خانۂ دل بغیر جلوۂ یار
ہو رہا ہے خراب اے قاصد
وصلِ جاناں ہو یا اجل آئے
زندگی ہے عذاب اے قاصد

دیتے ہیں ساکنِ الٰہ آباد
مجھ کو وحشیِ خطاب اے قاصد
کیا کسی شغل میں بھلا بہلے
دلِ پُر اضطراب اے قاصد
مُصحفِ رُخ کے غم میں خوش آئے
خاک سر کتاب اے قاصد
وہم میں بھی کبھی نہ تھے یہ دن
ہے جُدائی کہ خواب اے قاصد
خطِ ناسخ کا لا جواب شتاب
ہو دعا مُستجاب اے قاصد

(۱۹۲)

آیا نہیں پھر کے آہ قاصد
تکتا ہوں، میں کب سے راہ قاصد
آتا ہے کبھی جو ہوش مجھ کو
کہتا ہوں یہی کہ آہ قاصد
لکھے ہیں مرے نصیب میں رنج
تیرا نہیں کچھ گناہ قاصد
مقبول ہو اب دعائے ناسخ
جلد آئے یا الٰہ قاصد

(۱۹۳)

ہو جلد کہیں گزارِ قاصد جی جان سے ہوں نثارِ قاصد

کرتا ہے یہ بے قرار مجھ کو — رستے میں ذرا قرارِ قاصد
کیوں کر لائے جواب جبراً — کیا اس میں ہے اختیارِ قاصد
کھولے رہے گوریوں ہی آغوش — ہو جاؤں میں ہم کنارِ قاصد

جس روز سے یار سے جدا ہوں
ناسخ ہوا ہوں میں یار قاصد

(۱۹۴)

آئے یارب جلد در پر نامہ بر — دے مجھے مکتوبِ دلبر نامہ بر
میری حالت پر بہت روتا ہے تو — خط نہ ہو جائے کہیں تر نامہ بر
نامے پر نامے رقم کرتا ہوں میں — بھیجتا ہوں نامہ بر پر نامہ بر
دم مرا گھبرا کے کر جاتا سفر — گر نہ آتا اور دم بھر نامہ بر
روئے جاناں دیکھ کر جیتا ہے کون — مر رہا جا کر مرا ہر نامہ بر

راز اپنے کھل گئے خط کی طرح
مل گئے غیروں سے اپنے نامہ بر

(۱۹۵)

پھر بہار آئی، نکلئے گھر سے دامن جھاڑ کر
سوئے صحرائے جنوں چلیے گریباں پھاڑ کر
جسم خاکی کو یہیں چھوڑیں، عدم کی راہ لیں
اب وطن کو چلیے گردِ دشتِ غربت جھاڑ کر
اپنے گڑنے کی نہیں تم کو خبر، اے غافلو!
ہو گئی جمعیت خاطر خزانہ گاڑ کر

میرے داغوں کے برابر جب نہ نکلا آفتاب
صبح کیا نادم ہوئی اپنا گریباں پھاڑ کر

(۱۹۶)

شُش رسا رہ گیا ہوں درِ یار دیکھ کر
دیوار بن گیا ہوں، میں دیوار دیکھ کر
زنجیرِ زلفِ یار کی تاثیر دیکھنا
دیوانے روز ہوتے ہیں دو چار دیکھ کر
ناسخ ہو جائے سُرمہ سیاہی حروف کی
روشن ہوں آنکھیں نامۂ دلدار دیکھ کر

(۱۹۷)

درد ہے مجھ کو ترا اے یار خط
روز پڑھ لیتا ہوں میں سو بار خط
نامہ بر یاروں کو پہنچاتا نہیں
بکتے ہیں میرے سرِ بازار خط

(۱۹۸)

ہیں عُدو مغموم میں خشنود ہوں
شُکر ہے حاسد نہیں محسود ہوں
وصل کی شب کو اگر کرتا ہوں یاد
ہجر کی شب کہتی ہے موجود ہوں

نہا رہے ہیں وہ غیروں کے ساتھ گنگا میں
نہائیں، ہم بھی نہ کیوں آنسوؤں کے دریا میں
نہانے والے کہیں گے کہ پانی تھوڑا ہے
ملا دوں جی میں ہے کچھ اپنے اشک گنگا میں
یہ کان پور میں رو دو کہ اے مری آنکھو!
نہ فاصلہ رہے گنگا میں اور جمنا میں
زمین خاک فشاں، آسمان آب فشاں
یہی تو فرق ہے ادنا میں اور اعلا میں

(۲۰۰)

وہ بیزار مجھ سے ہوا، زار میں ہوں
وہ مئے خوار غیروں میں ہے، خوار میں ہوں
وہ کرتا ہے باتیں، میں کرتا ہوں آہیں
گہر بار وہ ہے، شرر بار میں ہوں
یہ غم ہے نہ کر دے جدا کوئی گلچیں
وہ گل باغِ عالم میں ہے خار میں ہوں
کہا حضرتِ درد نے خوب ناسخ
یہ زلفِ بتاں کا گرفتار میں ہوں

(۲۰۱)

غم سے دل پر خوں ہے، قطرہ دیدۂ تر میں نہیں
بادۂ گلرنگ شیشے میں ہے ساغر میں نہیں

طفلِ یہ رُو رُو کے کہتے ہیں زبانِ حال سے
جو عدم میں چین تھا، دامانِ مادر میں نہیں

(۲۰۲)

تو وہ باطن ہے کہ جلباب ہیں تجھ پر لاکھوں
تو وہ ظاہر ہے کہ بیتاب ہیں مظہر لاکھوں
ہوں وہ کافر کہ زمانہ کے صنم ہیں مرغوب
ہوں وہ مجنوں کہ مجھے چاہیئے پتھر لاکھوں
خاک سے سبزہ نکلتا ہے جو مانندِ زباں
ہو گئے زیرِ زمیں خاک سخن ور لاکھوں

(۲۰۳)

خاک ہے او سخت جاں اک دن ترا تن خاک میں
خاک ہو جاتا ہے آخر دب کے آہن خاک میں
باعثِ بُغض و عداوت زندگانی ہے فقط
ایک سے ہو جائیں گے شیخ و برہمن خاک میں
قصۂ شکر و شکایت بس یہیں تک ہے دلا
ایک دن مل جائیں گے سب دوست دشمن خاک میں

(۲۰۴)

تلخ باتیں آپ کی، شیریں سخن سے کم نہیں
چینِ پیشانی بھی زلفوں کی شکن سے کم نہیں
ہے شبِ فرقت نظر آنے لگے سامانِ موت
چادرِ مہتاب بھی مجھ کو کفن سے کم نہیں

گرچہ غربت ہے، تصوّر میں مگر ہمدم ہیں پاس
میری تنہائی بھی مجھ کو انجمن سے کم نہیں
جی لڑا دیتا ہے، کیسی ہو زمینِ سنگ لاخ
خامہ نیشہ ہے تو ناسخ کوہ کن سے کم نہیں

(۲۰۵)

دلا ہر چند ساحر مینہ کو اکثر بند کرتے ہیں
مرا رونا بھلا دیکھوں تو کیوں کر بند کرتے ہیں
اسیری کا جو وقت آیا، کہا رو رو کے یوسف نے
مجھے اب کنجِ زنداں میں برادر بند کرتے ہیں
اسی صندوق میں کل ان کے لاشے بند ہوئے ہیں
یہ غافل آج کیوں بے فائدہ زر بند کرتے ہیں

(۲۰۶)

میں خوب، سمجھتا ہوں مگر دل سے ہوں ناچار
اے ناصحو، بے فائدہ سمجھاتے ہو مجھ کو
تم آؤ جہاں، دخل ہو کیا اور کسی کا
عالم کو بھلاتا ہوں، جو یاد آتے ہو مجھ کو
جو بات تمھاری ہے سو اُلٹی ہے مری جاں
اغیار کو بہلاتے ہو، اٹھواتے ہو مجھ کو

(۲۰۷)

طرب فزا ہو صد و بست سال سالگرہ — دکھائے ہر برس اپنا جمال سالگرہ
شہِ زمانہ ابوالفتح کو مبارک ہو — ترے کرم سے ہے یا ذوالجلال سالگرہ

قوی ہمیشہ تن و جانِ بادشاہ رہے
طرب فزا ہو صد و بست سال، سالگرہ ہے

(۲۰۸)

نالہ ہے جس طرح سے ہمیشہ جرس کے ساتھ
فریاد میری پھرتی ہے فریادرس کے ساتھ
تو بھی غضب ہے تفرقہ انداز اے اجل
دم بھر میں چھوٹ جاتے ہیں سو سو برس کے ساتھ
قسمت ہے دستِ موج میں، دریائے فیض سے
موتی بھی بہہ رہے ہیں یہاں خار و خس کے ساتھ

(۲۰۹)

کس طرح نالوں سے ہو مثلِ جرس دل خالی
اپنی لیلا کا نظر آئے جو محمل خالی
جلوہ گر خلوتِ دل میں ہے مرا یار مدام
کبھی ہوتا نہیں لیلا سے یہ محمل خالی
جسم میں زور کہاں زمزمہ پردازی کا
آشیاں کر گئے لاکھوں ہی عنادل خالی

(۲۱۰)

دل، ملکِ انگریز میں جینے سے تنگ ہے
رہنا بدن میں، روح کو قیدِ فرنگ ہے
جلتی ہے شمع، پھیل نہیں سکتی روشنی
فرقت میں کیا ہی میرا سیہ خانہ تنگ ہے

دولت بجز فساد کسی کو ملی نہیں
دیکھو کہ لفظِ "گنج" بھی مقلوب "جنگ" ہے

(۲۱۱)

یار کے در پہ سُنا ہے غیر ہے
آج اس سے میری حالت غیر ہے"
میں جو مر جاؤں تو کہنا غیر سے
"ضعف سے غش آگیا ہے، خیر ہے"
مُعتکف رہتا ہوں کعبے میں تو کیا
دل تو اے ناسخ نقیم دیر ہے

(۱۲۲)

تو نظر آتا نہیں لیکن منوّر بام ہے
جلوہ تیرا بھی برنگِ آفتابِ شام ہے
دیکھنا اے مُحتسب تاثیر ایّامِ بہار
کم نہیں گُل سے جو محفل میں شکستہ جام ہے
ختم ہے ناسخ کے دل پر نگ نام غیر سے
اُس کی خاتم میں فقط ختم الرسل کا نام ہے

(۱۱۳)

جنوں پسند مجھے چھاؤں ہے ببولوں کی
عجب بہار ہے اِن زرد زرد پھولوں کی
اگرچہ آئی ہے برسات، پھول پھولے ہیں
ہوئی شگفتہ طبیعت نہ ہم ملولوں کی

جو چشم اہلِ وطن میں نہ ٹھہرے کیا نردا!
ہماری خاک سے روشن ہیں آنکھیں غوثوں کی
نجاتِ ناسخِ عاصی بھی کیجیو مولا
تمھیں تو امتیں بخشو گے سب رسولوں کی

(۲۱۴)

ضعف سے ناسخ مہجور کہاں اٹھتا ہے
کبھی اٹھتا ہے تو آہوں کا دھواں اٹھتا ہے
کہہ موذن سے پڑھے آکے جنازے کی نماز
میرے پہلو سے جو تو، سُن کے اذاں اٹھتا ہے
میری نظروں میں ہوا عرصۂ دُنیا تاریک
کیا غبار فرسِ عمر رواں اٹھتا ہے

(۲۱۵)

روٹھے ہوئے تھے آپ کئی دن سے، من گئے
بگڑے ہوئے تمام مرے کام بن گئے
ہم روتے روتے کور ہوئے تب وطن گئے
نرگس کے پھول بن کے، گلِ یاسمن گئے
چپ کیوں لگی رہے نہ بھلا مجھ کو رات دن
کیا کیا جہان سے نہ مرے ہم سخن گئے

(۱۰۶)

ہوں وہ سوزاں شعلہ بھاگے دور میری خاک سے
اپنے دامن کو سمیٹے طور، میری خاک سے

ناتواں ایسا ہوں، برسوں میں نہ ساعت ہو تمام
شیشۂ ساعت جو ہو، معمور، میری خاک سے
زندگی بھر نیشِ غم ناسخ مجھے چبھتے رہے
اب بنیں گے خانۂ زنبور، میری خاک سے

(۲۱۷)

خاک میں مل جائیے ایسا اکھاڑا چاہیے
لڑکے کشتی دیو ہستی کو پچھاڑا چاہیے
اور تختوں کی ہماری قبر میں حاجت نہیں
خانۂ محبوب کا کوئی کواڑا چاہیے
انتہائے لاغری سے جب نظر آیا نہ میں
ہنس کے وہ کہنے لگے بستر کو جھاڑا چاہیے
مر گیا ہوں حسرتِ نظارۂ ابرو میں، میں
عین کعبے میں مرے لاشے کو گاڑا چاہیے

(۲۱۸)

آیا نہیں وہ ماہ، مہینے گزر گئے
رویا میں اس قدر کہ سفینے گزر گئے
پوچھا جو رو کے یار نے ناسخ کے حال کو
ہنس کے کہا رقیبِ شقی نے "گزر گئے"

(۲۱۹)

سب زمینیں ہیں نئی، بستیں ہیں اے یار نئی
روز یاں ریختے کی اٹھتی ہے دیوار نئی

پھر نئے سر سے ہوا جوشِ جنوں آئی بہار
پھر مرے پاؤں کو زنجیریں ہیں درکار نئی
کبھی لیلا، کبھی شیریں، کبھی عذرا سلمیٰ
تیری خدمت میں ہے روز ایک پرستار نئی
خوش رہو، تم کو اگر قدر پرانوں کی نہیں
ڈھونڈھ لیں گے اجی ہم بھی کوئی سرکار نئی
کب جوانی میں ہے، پیری میں جو کیفیت ہے
مئے کہنہ کے برابر نہیں زنہار نئی
پوچھیے ان سے کفن کو بھی بدل سکے گا
روز پوشاک پہنتے ہیں جو سردار نئی
نہیں ممکن کہ نئی ساری غزل ہو ناسخ
باتیں دو چار پرانی ہیں تو دو چار نئی

(۲۲۰)

تو چاند ہے، سایہ چاندنی ہے
کوسوں تک بلکہ روشنی ہے
مارا ابرو سے سیکڑوں کو
قاتل تلوار کا دھنی ہے
دیکھا جسے، ہو گیا وہ عاشق
تیری آنکھوں میں موہنی ہے
ناسخ، جو فقیر ہوں، نہیں غم
میرا اللہ تو غنی ہے

(۲۲۱)

قبلِ بارش رُوتے روتے کور ہو جاؤں کہیں
ہجر میں صورت نہ دیکھوں اے خُدا برسات کی
باغ و مئے ابر و غنا، مہتاب و نہر و وصل دوست
ایک دل ہے اور حسرت ہے برابر سات کی

(۲۲۲)

اُس ماہ کی فُرقت میں جو تارے نکل آئے
تاروں سے سوا اشک ہمارے نکل آئے
دیتا ہے کہاں ساتھ بُرے وقت میں کوئی
پتّھر کو لگی چوٹ، شرارے نکل آئے

(۲۲۳)

نہ تری گات بُری ہے نہ تری بات بُری
نظر آئی نہ مجھے تیری کوئی بات بُری
گرچہ اے جان نہیں تیری کوئی بات بُری
پر مری بات نہ مانی، ہے یہی بات بُری
چاہیئے یہ کہ نہ ہو میری بُری بات بُری
آپ تو جانتے ہیں میری بھلی بات بُری
چُوم لوں، کیوں نہ بھلا تجھ سے لپٹ کر ہر دم
واہ کیا مُنھ ہے کہ نکلے نہ کبھی بات بُری
بات کی غیر سے تو نے، مری کیا بات رہی
ہو گئی تجھ سے یہ اے رشکِ پری بات بُری

(۲۲۴)

کچھ بھی اے دل چھپا نہیں تجھ سے
ناز ہے، وہ خفا نہیں تجھ سے
تو کسی سے نہیں ہے بیگانہ
پر کوئی آشنا نہیں تجھ سے
لگ گیا داغ اک غلامی کا
ورنہ یوسفؑ برا نہیں تجھ سے
گلہ اپنا ہے، باوفا کیوں ہوں
شکوہ اے بے وفا نہیں تجھ سے

(۲۲۵)

وسعت آبادِ جہاں تنگ ہوا زیرِ فلک — جا ہے مجھ کو جگہ زیرِ زمیں تھوڑی سی
کیا ہیچ ہے تری دہلیز تلک اے ماہ جبیں — چاند کی روز جو گھستی ہے جبیں تھوڑی سی

(۲۲۶)

کیوں دلا فکر ہے اس آن خدا حافظ ہے — کوئی ہرگز نہیں نقصان خدا حافظ ہے
ڈر نہ واعظ جو ہو آتش بتوں سے بھی کو — جائے گا دین نہ ایمان خدا حافظ ہے
کبھی اے وحشتِ دل ہی نہیں ڈرنے والا — ہے جو پُر ہول بیابان، خدا حافظ ہے
تا بہ دیوانِ قیامت ہے یقیں اے ناسخ — ہو نہ منسوخ، یہ دیوان، خدا حافظ ہے

تعلیقات و حواشی

غزل نمبر (۵) ناسخ کی اس غزل کے چند اشعار عمدۂ منتخب ص ۷۸۳ میں بھی شامل ہیں۔

(۷) ۲۸ م کے اس شعر میں مرزا دبیر نے استفہام انکاری کی نشان دہی کی ہے۔ (بہ حوالہ ناسخ ص ۳۰ تا ۳۲)

(۱۱) یہ شعر ریاض الفصحا ص ۳۳۷ میں شامل ہے۔ ریاض الفصحا میں ناسخ کی اس غزل میں تین ایسے اشعار بھی ہیں جو کلیات پر اضافہ ثابت ہوتے ہیں۔ ناسخ کے یہ تینوں غیر متداول اشعار درج ذیل ہیں:

دلِ صد چاک میں گر جلوۂ جاناں ہوتا
روز اس گنج شہیداں میں چراغاں ہوتا
زُلف سے اُس کی جو تشبیہہ نہ دیتے شاعر
اس قدر حال نہ سنبل کا پریشاں ہوتا
دوش پر ریگِ بیاباں کے جنازہ ہے مرا
شہر میں کیوں سببِ داغِ عزیزاں ہوتا

(۱۳) ناسخ نے اپنے اس پسندیدہ مضمون کو ایک اور موقع پر یوں پیش

کیا ہے : ؎

باغ میں گُل (بن) ہیں گلدستے ہزاروں کے تمام
خاک میں کیا کیا ہی گُل رخسار پنہاں ہو گئے (م I ۳۲۸)

یہ مضمون ناسخ سے قبل فارسی شعرا باندھ چکے ہیں۔ غالب نے بھی اس مضمون کو یوں پیش کیا ہے : ؎

سب کہاں، کچھ لالہ و گُل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

دیوانِ غالب : مطبع صدر مجلس لکھنؤ طبع اپریل ۱۸۸۲ء ص ۳۹)

(۱۵) ؎ اس مضمون کو غالب نے بھی اپنی ایک پرانی غزل (مشمولہ دیوانِ غالب اردو نسخۂ عرشی ص ۲۹۰) میں یوں پیش کیا ہے : ؎

وہ آکے خواب میں تسکین اضطراب تو دے
وہ مجھے تپشِ دل مجال خواب تو دے

اسی زمین میں آتش کی بھی ایک کامیاب غزل موجود ہے۔ (کلیات آتش طبع ۱۸۸۸ء ص ۸)

(۱۷) ؎ ناسخ کے اس مضمون کو غالب نے اپنے ایک شعر میں تصرف کے ساتھ یوں پیش کیا ہے : ؎

نہ لٹتا دن کو، تو کب رات کو یوں بیخبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا، دُعا دیتا ہوں رہزن کو

(دیوان غالب اردو نسخۂ عرشی ص ۱۵۰)

(۱۹) ؎ اس زمین میں آتش کا بھی ایک عدد غزل کلیات آتش ص ۶۶ میں دستیاب ہے۔

عمدۂ منتخبہ ص ۸۵ میں یہ مصرع یوں درج ہوا ہے۔ ع

"وصفِ جنّت جب کہ کی واعظ نے منبر پر شروع

(۲۱) ؎ ناسخ نے اسی مضمون کو م ۲۱۳ میں یوں بھی پیش کیا ہے: ؎

دیتی ہیں زُلفیں تری، رُخ سے زیادہ مجھ کو رنج

دن سے افزوں رات بھاری ہوتی ہے رنجور کو

(۲۲) ؎ ناسخ کے اس مضمون کو آتش لکھنوی کے شاگرد میر دزیر علی صدر لکھنوی نے یوں پیش کیا ہے: ؎

نکلیں کہیں احاطۂ وہم و گماں سے ہم

باز آئے اس زمین سے اس آسماں سے ہم

(انتخابِ صبا: مرتبہ کاظم علی خاں۔ یوپی اردو اکادمی لکھنؤ طبع ۱۹۸۲ء ص ۵۲)

(۲۵) ؎ رشک کے متعلق ناسخ کے اس شعر پر غالب کا یہ شعر یاد آتا ہے: ؎

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں

ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

غالب کا یہ شعر اگست ۱۸۴۹ء کے بعد کا کلام بتایا جاتا ہے۔

(دیوانِ غالب اردو نسخۂ عرشی متن ص ۲۳۶ مع حاشیہ ۱) غالب کے مذکورہ شعر کے مقابلے میں ناسخ کا شعر اُس دیوانِ اوّل میں شامل ہے جو ۱۲۳۲ھ (۱۷-۱۸۱۶ء) تک مرتب ہوا تھا۔

(۳۲) ؎ اس زمین میں غالب کا دو غزلہ ملتا ہے جس کی ایک غزل کا مقطع یہ ہے: ؎

غالبؔ اپنا یہ عقیدہ ہے بہ قولِ ناسخؔ
"آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں"

(دیوانِ غالب طبع اپریل ۱۸۸۲ء ص ۳۳)

غالبؔ کا یہ مقطع اُن کے دیوان کے اُس قلمی نسخے میں ہے جو ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ء) میں مرتب ہوا تھا۔ (نسخۂ عرشی ص ۲۲۰)

(۲۴) ۱ غزل کا متن بعض وجوہ کے باعث ن ۶۸ I پر مبنی ہے۔

(۳۵) ۱ ن ۔ ۔ = "دغا" مگر م ۱۸۴ = "وفا" قابلِ ترجیح۔

۲ ناسخؔ کی اس زمین میں مرزا دبیرؔ نے ایک سلام کہا ہے جس کے چند شعر درجِ ذیل ہیں: ؎

غمِ آلِ عبا ہے اور میں ہوں
سلامی یہ غذا ہے اور میں ہوں
خیال کربلا ہے اور میں ہوں
بہشتِ جاں فزا ہے اور میں ہوں
موئے اکبرؑ ؛ بولا خنجرِ سمّر
بس اب شہؑ کا گلا ہے اور میں ہوں
یہ کہہ کر مر گیا پیاسوں کا سقّا
کہ محشر تک حیا ہے اور میں ہوں
دُعا بھی مال و دولت کی نہ مانگوں
ہمیشہ یہ دُعا ہے اور میں ہوں
تمنّا دولت و حشمت کی کیا ہو
دبیرؔ آخر فنا ہے اور میں ہوں

مرزا دبیر کا یہ سلام دفترِ ماتم کی سولہویں جلد میں موجود ہے۔

(۳۸) سلہ رشید حسن خاں نے ل ۱۷۹ میں اس شعر کو غلطی سے اس سے قبل کی غزل میں شامل کر دیا ہے لیکن م ۱۹۹ نیز ن ۷۶ کے اندراجوں کے بموجب یہ شعر اسی جگہ ہونا چاہیئے جہاں ہم نے اسے زیرِ نظر انتخاب میں رکھا ہے۔

(۴۱) سلہ ناسخ نے اس شعر میں اپنی قادر الکلامی پر جو فخر کیا ہے اُس کا سبب بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِس زمین میں ناسخ کی یہ تیسری غزل ہے اور اس سہ غزلے کی اِس آخری غزل میں ناسخ نے سلسلے وار گیارہ عدد مطلع کہہ ڈالے ہیں (م ۲۲۸ تا ۲۳۲)

سہ یہ مصرع ناسخ کی علمِ عروض سے دل چسپی کا مظہر ہے۔

(۴۲) سلہ ناسخ کی اس غزل کے متعدد اشعار ریاض الفصحا ص ۳۳۶ میں موجود ہیں۔ نیز ریاض الفصحا سے ناسخ کی اس غزل کے دو ایسے غیر متداول اشعار بھی دستیاب ہوتے ہیں جو (ن ۸۸ میں شامل) ناسخ کی اس غزل میں موجود نہیں۔ ریاض الفصحا سے ناسخ کے یہ دونوں غیر متداول اشعار درج ذیل ہیں: سہ

رہا گر شغل رونے کا یوں ہی اس چشمِ گریاں کو
کروں گا بعدِ مُردن بے نشاں گورِ غریباں کو
پری زادِ اُس ستم گر کو اگر کہیئے تو زیبا ہے
کہ وحشت اس قدر ہوتی نہیں انساں سے انساں کو

(۴۳) سلہ ن ۹۲ = "رہتی" مگر م ۲۴۴ = "ہوتی" قابلِ ترجیح۔

(۴۴) سلہ م ۲۴۶ میں کتابت کے سہو سے "معشوں" درج ہوا ہے مگر

ن ۹۳ میں "معشوقوں" درست ہے۔

۲ اس غزل کے بعض اشعار عمدۂ منتخبہ ص ۷۹۰ میں بھی شامل ہیں۔

(۴۶) ۱ آتش لکھنوی نے اسی مضمون کو یوں پیش کیا ہے: (کلیاتِ آتش طبع اپریل ۱۸۸۸ء ص ۶)

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل، سو زر بکف
قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

(۴۷) ۱ ناسخ کا یہ شعر ریاض الفصحا ص ۳۳۶ میں شامل ہے۔ نیز اس غزل کے دو شعر عمدۂ منتخبہ ص ۷۹۰ میں بھی درج ہوئے ہیں۔

۲ م ۲۶۱ میں "نشان" ملتا ہے۔ مگر ن ۹۹ میں "بسان" (بہ معنی مثل، طرح، مانند) معنوی اعتبار سے ہمارے نزدیک قابلِ ترجیح ہے۔

(۴۸) ۱ ناسخ کی یہ غزل خواجہ میر درد کی زمین میں ہے (دیوان درد۔ تاج اکیڈیمی حیدر آباد ص ۶۱ تا ۶۳)

(۴۹) ۲ اس پوری غزل میں ایک ہی طرح کی کیفیت اسے مسلسل غزل کا درجہ دیتی ہے۔

(۵۱) ۱ ناسخ کا یہ شعر گلشنِ بے خار ص ۲۲۶ میں بھی نقل ہوا ہے۔

(۵۲) ۱ زیرِ نظر انتخاب کی غزلیات نمبر ۵۰ نمبر ۵۱ نیز ۵۲ دراصل ناسخ کے ایک سہ غزلے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ (م ۲۷۸ تا ۲۸۲)

(۵۳) ۱ م ۲۸۲ کا یہ مطلع ریاض الفصحا ص ۳۳۷ میں بھی شامل ہے۔

(۵۵) ۱ ن ۱۰۹ میں یہاں "وحشت" کے بجائے "نفرت" ملتا ہے۔ مگر م میں "وحشت" قابلِ ترجیح ہے۔

۲ م = "سے" مگر ن = "کی" قابلِ ترجیح ہے۔

۳ ریاض الفصحا ص ۳۲۶ میں ناسخ کا یہ مصرع غلطی سے یوں مرقوم ہوا ہے۔ ع

"سر دھری پہ رہے شعلہ رُخوں کے ناسخ"

۴ ناسخ کی اس غزل کے تین اشعار ریاض الفصحا میں شامل ہیں نیز غزل کا مطلع عمدۂ منتخبہ ص ۹۲، میں بھی نقل ہوا ہے۔

(۵۶) ۱ م = "پہ" قابلِ ترجیح لیکن ن = "یہ" بہ ظاہر سہو کاتب۔

۲ مصرعۂ ثانی سے کلامِ ناسخ میں لفظ "مژہ" کی تذکیر ثابت ہو رہی ہے لیکن مہذب اللغات جلد دوازدہم ص ۱۵۲ میں لفظ "مژہ" کو صرف مونث قرار دیا گیا ہے۔ "مہذب اللغات کے لئے ناسخ کا یہ مصرع مفیدِ مطلب ثابت ہو سکتا ہے۔ جسے نظر انداز کرنا محلِ نظر ہے۔

۳ م ۲۹۱ میں شامل ناسخ کے دیوانِ اوّل (تالیف ۱۲۳۲ھ) کا یہ شعر ۱۲۳۲ھ یا اس سے قبل کا کلام ہے۔ ناسخ کے اسی مضمون کو غالب نے اپنے (۱۲۳۲ھ کے بعد کے) ایک شعر میں یوں پیش کیا ہے: ؎

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ!
اس قدر دشمنِ ارباب وفا ہو جانا

مولانا عرشی رام پوری مرحوم کے بموجب غالب کا یہ دیوانِ غالب نسخۂ بھوپال (۱۲۳۷ھ) کے حاشیے کی غزل میں ملتا ہے (دیوان غالب اردو نسخۂ عرشی متن ص ۱۷۹)

(۵۸) ۱ ناسخ کا یہ شعر شیفتہ نے گلشنِ بے خار ص ۲۲۶ میں

بھی نقل کیا ہے۔

۲ سہ م ۲۹۴ تا ۲۹۵ نیز ن ۱۱۱ میں اِن دونوں اشعار کی ترتیب یہی ہے مگر رشید حسن خاں نے ل ۲۰۴ تا ۲۰۵ میں ان دونوں اشعار کی ترتیب خلافِ اصل رکھی ہے۔ یعنی اِن اشعار میں سے مقدّم کو موخّر اور موخّر کو مقدّم کر دیا ہے۔

(۵۹) سہ م ۲۹۵ تا ۲۹۷ کی اس طویل غزل میں آٹھ عدد مطلعے ہیں۔

(۶۳) سہ ناسخ کا یہ شعر نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے گلشنِ بے خار ص ۲۲۶ میں بھی شامل کیا ہے۔

۲ م ۳۰۵ نیز ن ۱۱۵ میں اس مصرعے کی یہی شکل ہے جو ہم نے پیش کی ہے۔ مگر رشید حسن خاں نے ل ۲۰۸ میں یہ مصرع خلافِ اصل یوں درج کیا ہے: ع

"زاہد کا دل نہ خانۂ خمّار توڑیئے"

کلامِ مرزا محمد تقی خاں ہوسؔ لکھنوی کے مطالعے سے انکشاف ہوتا ہے کہ ناسخؔ نے اِس مقطع میں ہوسؔ کے مصرعے کی تضمین کی ہے۔ م I ص ۳۰۵ نیز ن I ص ۱۱۵ میں ناسخؔ کے مقطع کی مندرجۂ ذیل شکل ہی ملتی ہے۔ سہ

ناسخؔ بہ قولِ افصحِ ہندوستان کبھی
"زاہد کا دل نہ خاطرِ خوار توڑیئے"

ناسخؔ کے اِس مقطع کا دوسرا مصرع دراصل مرزا محمد تقی خاں ہوسؔ لکھنوی کا ہے۔ ہوسؔ کا شعر یہ ہے: سہ

زاہد کا دل نہ خاطرِ مے خوار توڑیئے
سَو بار توبہ کیجئے، سو بار توڑیئے

ہوسؔ کا یہ شعر کلام ہوسؔ لکھنوی مشمولہ انتخاب سخن (جلد ششم) مرتبہ حسرت موہانی شائع کردہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ طبع ۱۹۸۳ء ص ۱۶۲ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ہوسؔ کے اس شعر کے مصرعۂ اوّل کو ناسخؔ نے اپنے مقطع میں پیش کیا ہے۔ ناسخؔ نے گویا یہاں "افصحِ ہندوستان" مرزا محمد تقی خاں ہوسؔ کے لئے لکھا ہے۔ ابو محمد سحرؔ کا یہ قیاس درست نہیں کہ ناسخؔ نے اس مقطع میں میرؔ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ میرؔ کے چھ دواوین میں اس زمین کی غزل ہی نہیں ملتی (تنقید و تجزیہ: ابو محمد سحرؔ الہ آباد طبع ۱۹۶۱ء ص ۴۶)

۶۶ ؎۱ ناسخؔ کے اس شعر کے مصرعۂ آخر سے آغا حجو شرفؔ کے مندرجۂ ذیل شعر کا مصرعۂ آخر مل رہا ہے۔ ؎

لٹا ہے باغ گل و لالہ زار کے باعث
چمن پہ آئی یہ آفت بہار کے باعث

انتخاب آغا حجو شرفؔ: مرتبہ کاظم علی خاں۔ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ طبع فروری ۱۹۸۳ء ص ۲۹)

(۷۰) ؎۱ عوام اور عورتوں میں ماہ ذی قعدہ "خالی" کا مہینا بولا جاتا ہے۔

؎۲ اس غزل کا ایک شعر "گلشنِ بے خار" ص ۲۲۶ میں بھی شامل ہے۔

(۷۱) ؎۱ "گمر" بہ معنی شاید۔

؎۲ م ۳۲۱ کا یہ شعر خاصا مشہور ہے۔

(۷۲) ۱ م ۳۲۱ میں لفظ "پہنچے" تھا مگر صحت نامۂ م (صفحہ ۶) کی ہدایت کے بموجب "پہنچے" غلط اور "پہنچیں" صحیح ہے جسے ہم نے زیرِ نظر انتخاب میں درج کیا ہے۔ ن ۱۲۱ میں بھی "پہنچیں" ہی مرقوم ہے۔ لیکن رشید حسن خاں نے ل ۲۱۲ میں ان امور کو ملحوظ نہ رکھ کر "پہنچے" ہی درج کیا ہے جو محلِ نظر ہے۔

۲ یہ شعر گلشنِ بے خار ص ۲۲۶ میں بھی شامل ہے۔

(۷۳) ۱ م ۳۲۳ = "ہی" لیکن ن ۱۲۲ = "بھی"

۲ مصرعۂ ثانی ن سے لکھا گیا ہے۔ م میں مصرعۂ ثانی کی شکل یہ ہے: ع

"دریا بھی میرے عرق ہوئے انفعال کے"

ظاہر ہے کہ مصرعے کا یہ متن قابلِ ترجیح نہیں۔ م میں بہ ظاہر لفظ "بہے" کو غلطی سے "بھی" پڑھا گیا ہے حالانکہ یہاں محل لفظ "بہے" ہی کا ہے۔

۳ م = "پھینکو" قابلِ ترجیح نہیں۔ ن = "پھینکوں" قابلِ ترجیح ہے۔

۴ اس غزل کے دو اشعار گلشنِ بے خار ص ۲۲۶ میں بھی موجود ہیں۔

(۷۵) ۱ م ۳۲۸ میں "گُل بن" کی جگہ غلطی سے "گُل میں" مرقوم ہے۔ ن ۱۲۴ میں "گُل بُن" قابلِ ترجیح ہے۔

۲ ناسخ نے اسی مضمون کو اپنے دیوان اوّل میں ایک دوسری جگہ یوں پیش کیا ہے: ؎

ہو گئے دفن ہزاروں ہی گُل اندام اس میں
اس لئے خاک سے ہوتے ہیں گلستاں پیدا (م ۷۳)

(۷۸) ۱ شاگردِ آتش میر وزیر علی صبا لکھنوی نے ناسخ کے اس مصرعۂ آخر

کی تضمین تصرّف کے ساتھ یوں کی ہے۔ ؎

اے صبا ہم بھی وہ آندھی ہیں بقول ناسخ
اڑ کے جائے گا کہاں تختِ سلیماں ہم سے

(انتخاب صبا۔ مرتبہ کاظم علی خاں۔ اُتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ طبع ۱۹۸۲ء ص ۸۹)۔

(۷۹) ؎۱ یہ شعر گلشنِ بے خار ص ۲۲۷ میں بھی درج ہوا ہے۔

؎۲ "شاہِ زمن" سے مُراد ہیں فرماں روائے اودھ غازی الدّین حیدر جو ۱۸ ذی الحجّہ ۱۲۳۴ھ کو نواب وزیر سے بادشاہ اودھ ہوئے تھے اور جو ۲ ربیع الاوّل ۱۲۴۳ھ کو فوت ہوئے تھے اور ان امور سے اندازہ ہوتا ہے کہ م ۳۴۸ تا ۳۴۹ میں ملنے والی دیوانِ اوّل تالیف ۱۲۳۲ھ کی یہ غزل دیوان کے سالِ ترتیب ۱۲۳۲ھ کے بعد اُس زمانے میں کہی گئی ہو گی۔ جب ۱۸ ذی الحجّہ ۱۲۳۴ھ کو غازی الدّین حیدر شاہِ زمن کے خطاب کے ساتھ اودھ کے تاج دار ہوئے تھے۔

(۸۰) ؎۱ م ۳۵۴ کے اِس مضمون کو ایک دوسری جگہ ناسخ نے یوں پیش کیا ہے: ؎

خواب ہی میں نظر آتا وہ شبِ ہجر کہیں
سو مجھے حسرتِ دیدار نے سونے نہ دیا (ن ۳۰)

(۸۳) ؎۱ رشید حسن خاں نے (ل ۲۲۳ میں) اس مصرعے کا متن خلاف اصل یوں درج کیا ہے: ؎

"ہے عجب راہِ عدم، جو بھی چلا اس راہ میں"

مگر م ۶ نیز ن ۵ میں مصرعے کی شکل وہی ہے جو ہم نے زیرِ نظر انتخاب میں پیش کی ہے۔"

(۸۴) ؎ اس شعر کے دوسرے مصرعے کا اصلاح شدہ متن، ناسخ کے ایک قلمی دیوان میں یوں بھی ملتا ہے۔ ع

"کہ زباں پر ہے مزا شکوۂ بینائی کا"

(بہ حوالہ حقائق: ڈاکٹر گیان چند۔ طبع ۱۹۷۸ء ص ۲۹۶)

(۸۵) ؎ یہ شعر ناسخ کی بے وطنی کے زمانے کا ہے۔ ناسخ رجب ۱۲۴۳ھ میں لکھنؤ سے نکلے تھے۔ شعر میں ایک سال کی مدّت کا ذکر اسے رجب ۱۲۴۴ھ کے آس پاس کا کلام بتا رہا ہے۔

(۸۸) ؎ م ۱۳ = "مدفن" قابلِ ترجیح ہے مگر ن ۸ = "مسکن" سہوِ کاتب۔

(۹۰) ؎ ناسخ کی اس غزل کے بعض اشعار تذکرۂ شعرا: مصنفہ ابن امین اللہ طوفان طبع ۱۹۵۴ء ص ۷ میں بھی شامل ہیں۔

(۹۱) ؎ م ۱۶ میں غزل کا یہ ضمنی مطلع اپنے صحیح مقام پر نہیں۔ ن ۱۰ اس سقم سے پاک ہے۔

(۹۲) ؎ م ۱۹ میں ناسخ کا یہ شعر میر کے اس شعر سے واضح مماثلت رکھتا ہے:

بے خودی لے گئی کہاں ہم کو
دیر سے انتظار ہے اپنا

(غزلیاتِ میر کا تنقیدی جائزہ: کاظم علی خاں۔ اردو پبلشرز لکھنؤ طبع دوم ص ص ۱۳ تا ۱۴)

(۹۵) ؎ م ۲۴ = "زورِ وحشت" مگر ن ۱۵ = "جوشِ وحشت" قابلِ ترجیح ہے۔

(۱۰۱) سلہ م ۳۵ نیز ن ۲۱ میں مطلع کی شکل یہی ہے مگر رشید حسن خاں نے ل ۲۳۳ میں پہلے مصرعے کی جگہ دوسرا مصرع اور دوسرے مصرعے کے مقام پر پہلا مصرع درج کیا ہے۔

(۱۰۴) سلہ ہمیں معلوم ہے کہ ناسخ رجب ۱۲۴۳ھ میں بے وطن ہو کر تقریباً پانچ برس مسافرت میں رہ کر ۳ رجب ۱۲۴۸ھ کو لکھنؤ واپس ہوئے تھے۔ گویا یہ شعر رجب ۱۲۴۸ھ کا کلام ہے۔ جب ناسخ کو غربت میں چھٹا سال شروع ہو رہا تھا۔ دفتر پریشاں میں اس شعر کی موجودگی بتاتی ہے کہ دفتر پریشاں میں اس کے سنہ تکمیل ۱۲۴۷ھ کے بعد کا بھی کچھ کلام شامل ہے جو استثنائی حیثیت رکھتا ہے۔ م ۴۲ میں شامل دفتر پریشاں کا یہ شعر اسی کی مثال ہے۔

(۱۰۷) سلہ م ۸۱ = "ملتا" قابلِ ترجیح ہے۔ ن ۴۷ = ملتا سہو کاتب۔

(۱۰۹) سلہ "الغیاث" = فریاد، دہائی

(۱۱۰) سلہ م ۱۰۰ کا یہ مقطع اگر غزل کے خیالی مضمون کے بجائے ناسخ کی زندگی کے واقعات بیان کرتا ہے تو یہ غزل شاید اوائلِ رجب ۱۲۴۸ھ میں اُن کی برسوں بے وطنی کے بعد لکھنؤ آنے کے زمانے کی ہو سکتی ہے۔ ۱۲۴۸ھ کی اس غزل کی دفتر پریشاں تالیف ۱۲۴۷ھ میں موجودگی استثنائی حیثیت رکھتی ہے۔

(۱۱۸) سلہ م ۱۳۰ تا ۱۳۱ کے اندراجات کی روشنی میں یہ شعر اسی جگہ آئے گا۔ جہاں ہم نے رکھا ہے۔ لیکن رشید حسن خاں نے ل ۲۶۰ میں اس شعر کی جگہ بدل کر اسے بعد کو درج کیا ہے۔

(۱۲۰) ؎ ناسخ اس غزل کو میر کی زمین میں بتاتے ہیں۔ مقطعے کے مصرعۂ اوّل میں ناسخ، میر کے لیے دُعائیہ کلمہ "میر سلمہ اللہ" لائے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کم از کم غزل کا مقطع میر کی وفات ۲۰ شعبان ۱۲۲۵ھ سے قبل کہا گیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ غزل کے دوسرے اشعار بھی میر کی زندگی میں ہی کہے گئے ہوں۔ ان حالات میں اس غزل کی ناسخ کے دوسرے دیوان دفتر پریشان میں شمولیت باعث حیرت ہے۔ کیوں کہ دوسرے دیوان میں ناسخ کا وہ کلام بھی شامل ہے جو ۱۲۳۳ھ سے ۱۲۴۷ھ تک کہا گیا تھا۔ مذکور امور کی روشنی میں اس غزل کو ناسخ کے پہلے دیوان میں جگہ ملنا چاہیے تھی۔ جس میں ۱۲۳۲ھ یا اس سے قبل کا کلام ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ کلیات ناسخ کی جدید ترتیب کے وقت ہمارے معروضات کو پیش نظر رکھنا مفید ہوگا۔ پاکستان میں اورنگ زیب عالمگیر نے کلیاتِ ناسخ کو ۱۹۸۲ء میں مرتب کیا ہے۔ موصوف کا یہ تحقیقی کام مئی ۱۹۸۳ء تک منظر عام پر نہیں آیا ہے دیکھنا ہے کہ یہ مسئلہ کلیات ناسخ کی اس جدید ترتیب میں حل ہو سکا ہے یا نہیں! (بہ حوالہ ماہ نامہ اخبار اُردو کراچی بابت ماہ اپریل ۱۹۸۳ء ص ۲۱ مقالہ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن)

کاظم علی خاں ۱۳ر مئی ۱۹۸۳ء

(۱۲۱) ؎ ن ۸۲ میں "ظرف" کا املا غلطی سے "ضرف" مرقوم ہوا ہے۔ مگر م ۱۱۴۲ اس سہو سے پاک ہے

(۱۲۸) سہ م ۱۵۲ میں ناسخ کے اس مطلع کو پڑھ کر غالب کا یہ شعر یاد آتا ہے ؎

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو، پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

(دیوان غالب نسخۂ عرشی متن ص ۱۰۹)

(۱۳۰) سہ م ۱۵۶ میں مصرع کتابت کے سہو سے یوں درج ہوا ہے: ع
"کیا غرض غیر سے جب یار کو کام نہیں"
(کذا؟)
ن سے تصحیح کی گئی ہے۔

سہ م ۱۵۶ میں مصرع یوں ہی ملتا ہے۔ مگر ن ۹۰ میں مصرع کی شکل یہ ہے: ع
مرضِ عشق سے دی مجھ کو شفا شافی نے"

سہ تصحیح از ن ۹۰ — م ۱۵۶ میں غلطی سے یہاں "خانہ و خمار" مرقوم ہوا ہے۔

(۱۳۲) سہ م ۱۶۲ نیز ن ۹۲ میں یہ مطلع ثانی اپنے صحیح مقام پر نہیں۔

(۱۳۶) سہ رشید حسن خاں نے ل ۲۶۸ میں اس شعر کو اس کے صحیح مقام پر نہیں رکھا ہے۔

(۱۴۱) سہ دائرے سے مراد ہے دائرہ شاہ اجمل الہ آباد۔

(۱۴۸) سہ م ۲۱۴ = "نکلی" سہو۔ ن ۱۲۳ = "نکلیں" قابل ترجیح۔

سہ ناسخ کے اس شعر پر غالب کا یہ شعر یاد آتا ہے: ؎

ضعف سے گریہ مبدل بہ دمِ سرد ہُوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

(دیوانِ غالب، نسخۂ عرشی ص ۱۸۲)

۱۵) سلہ م ۲۳۹ کا یہ شعر دائرہ شاہ اجمل الہ آباد کی یاد گار ہے۔

۱۵۰) سلہ م ۲۴۳ میں ناسخ کا یہ مطلع اُن کی بے وطنی کا ترجمان ہے۔ ناسخ رجب ۱۲۴۳ھ میں بے وطن ہوئے تھے۔ گویا یہ غزل رجب ۱۲۴۳ھ کے بعد کہی گئی ہوگی۔ غزل کے مقطعے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ غزل شاہ زمن غازی الدین حیدر کی وفات، ۲۷ ربیع الاوّل ۱۲۴۳ھ کے بعد کا کلام ہے۔

سلہ شاہ زمن سے مراد ہیں غازی الدین حیدر شاہ اودھ جو ۲۷ ربیع الاوّل ۱۲۴۳ھ کو فوت ہوئے تھے اور جو لکھنؤ کے مشہور تاریخی امام باڑے شاہِ نجف میں دفن ہوئے۔

۱۵۰) سلہ م ۲۴۴ تا ۲۴۵ کی اس غزل کے اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناسخ لکھنؤ میں سازگار حالات محسوس کر کے وطن واپسی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مقطعے میں ذوالفقار حیدری اور خونِ دشمن سے ایسا باور ہوتا ہے کہ نصیر الدین حیدر نے ناسخ کے دشمن حکیم مہدی کو ربیع الاوّل ۱۲۴۸ھ میں عہدۂ وزارت سے برطرف کر دیا ہے اور ناسخ نصیر الدین حیدر کی تلوار کی پیاس دشمن کے خون سے بجھوانا چاہتے ہیں۔ یہ غزل بظاہر ربیع الاول ۱۲۴۸ھ کے بعد کا کلام معلوم ہوتی ہے گویا یہ دفترِ پریشان کی ترتیب ۱۲۴۷ھ کے بعد کا کلام ہے اور دفترِ پریشان

میر اس غزل کی شمولیت استثنائی حیثیت رکھتی ہے۔

(۱۵۵) ص م ۲۴۷ کے اس مقطع کو پڑھ کر گمان ہوتا ہے کہ مصرعۂ آخر کہیں مصحفی کے شاگرد حیدر علی بیگ گرم کا نہ ہوا۔

(۱۵۶) ص ا حول = کج چشم جسے ایک چیز کی جگہ دو چیزیں نظر آتی ہیں۔

(۱۶۲) ص م ۲۵۴ کی یہ غزل بہ ظاہر رجب ۱۲۴۸ھ میں ناسخ کی لکھنؤ میں واپسی کے قریبی زمانے کی معلوم ہوتی ہے۔

لہٰذا دفتر پریشان ۱۲۴۷ھ کے بجائے دفتر شعر یعنی ناسخ کے تیسرے دیوان میں شامل ہونا چاہئے تھا۔ دفتر شعر میں ۱۲۴۷ھ کے بعد کا کلام ہے۔ مقطع میں روضۂ شاہ زمن سے مراد ہے شاہ نجف لکھنؤ جو شاہِ زمن غازی الدین حیدر کا مدفن ہے۔ ناسخ شاید الہ آباد سے لکھنؤ آرہے تھے۔ الہ آباد سے لکھنؤ آنے میں شاہ نجف کی تاریخی عمارت کا ملنا قرین قیاس ہے۔

(۱۶۳) ص یہاں کان پور، "کو ناسخ نے ضرورت شعری کے باعث "کان پر" نظم کیا ہے۔

(۱۶۴) ص م ۲۵۸ کے ان دونوں اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ غزل دائرہ شاہ اجمل الہ آباد کی درگاہ میں ناسخ نے اپنی بے وطنی کے ایک سال گزرنے پر کہی تھی۔ ناسخ رجب ۱۲۴۳ھ میں بے وطن ہوئے تھے۔ گویا یہ غزل رجب ۱۲۴۴ھ کے آس پاس کا کلام ہو سکتی ہے۔

(۱۶۹) ص "کر و کور" = "کر" بہ معنی بہرا۔ "کور" بہ معنی اندھا۔

۱۷۳) سلہ م ۲۸۳ میں کتابت کے سہو سے "شیشے" نذارد۔ ن ۱۶۲ میں شیشے موجود ہے۔

۱۸۰) سلہ ناسخ کے اس شعر کو غالب نے اپنے ایک مکتوب بہ نام قدر بلگرامی میں بھی درج کیا ہے (اردوئے معلیٰ صدی ایڈیشن حصہ سوم مرتبہ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لاہور طبع ۱۹۷۰ء ص ۱۰۳۸)

۱۸۳) سلہ م ۵۴ تا ۵۵ کے یہ اشعار محمد علی شاہ کی مدح میں ہیں جو ربیع الآخر ۱۲۵۴ھ سے اودھ کے حکمران ہوئے تھے

۱۸۴) سلہ م ۶۲ کا یہ مقطع بتاتا ہے کہ ناسخ کا تیسرا دیوان انکی زندگی میں ہی مرتب ہوا تھا۔

۱۹۱) سلہ م ۹۵ = "کہ" قابلِ ترجیح۔ ن ۵۵ میں "کہ" کی جگہ "کا" مرقوم ہے۔
سلہ م ۹۴ تا ۹۵ کی یہ غزل بہ ظاہر الہ آباد میں کہی گئی ہے گویا یہ غزل یا تو ناسخ کی سفر سے لکھنؤ واپسی ۳ رجب ۱۲۴۸ھ سے قبل کا کلام ہوگی یا پھر یہ غزل ناسخ نے اپنی ۱۲۵۳ھ کی مسافرت کے دوران کہی ہے جو اواخر رجب سے شوال ۱۲۵۳ھ تک کی مدت کو محیط تھی۔ اس دوسری مسافرت میں ناسخ شاید کان پور ہی میں رہے ہوں گے۔ لیکن ممکن ہے کہ وہ الہ آباد بھی گئے ہوں۔ (ناسخ ص ۹۳)

۱۹۰) سلہ اس غزل کا متن ن ۱۱۲ پر مبنی ہے کیوں کہ م کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے اس کے چار صفحات غائب ہیں۔

۱۰۰) سلہ م کے متعلقہ صفحات غائب ہونے کے باعث یہ غزل بھی ن ۱۱۲ تا ۱۱۳ سے منقول ہے۔

(۲۰۱) سلہ م ۱۹ سے منقول یہ غزل مقطعے سے محروم ہے

(۲۰۲) سلہ "جلباب" = چادر۔ "مہذب الافات" جلد سوم میں لفظ "جلباب" کی سند میں کوئی شعر موجود نہیں۔ ناسخ کا یہ شعر اس کمی کی تلافی کر سکتا ہے۔

(۲۰۴) سلہ ناسخ کے تیسرے دیوان کی یہ غزل غلطی سے ان کے پہلے دیوان میں بھی شامل ہو گئی ہے۔ ترتیب کا یہ سہو دلچسپ ہے۔

(ن I ۷۰، نیز ن II ۱۱۵)

(۲۰۷) سلہ م ۲۲۹ تا ۲۳۰ کے یہ مدحیہ اشعار محمد علی شاہ کی سالگرہ کے جشن کے سلسلے میں ہیں جو ذی قعدہ ۱۲۵۳ھ میں منعقد ہوا تھا اور اسی جشن کے لئے ناسخ کا ایک فارسی قطعۂ تاریخ بھی دستیاب ہوتا ہے۔ (دیکھئے م ۳۷۳۔ نیز ناسخ ص ۱۱۷)

(۲۰۹) سلہ تیسرے دیوان کی یہ غزل دراصل ناسخ کے ایک دوغزلے کی دوسری غزل ہے۔ اس دوغزلے کی پہلی غزل۔

"یک بہ یک عشق سے کیونکر ہو مرا دل خالی"

ان کے دوسرے دیوان میں ہے (م ۲۴۷) اور یہ زیر نظر انتخاب میں غزل نمبر (۱۵۵) کی شکل میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(۲۱۰) سلہ اس غزل کے چند شعر تذکرۂ شعرا: مصنفہ ابن امین اللہ طوفان ص ۷ میں بھی درج ہوئے ہیں۔

(۲۱۱) سلہ م ۲۶۵ = "سے" قابلِ ترجیح ۔ ن ۱۵۲ = "ہے"۔

(۲۱۲) سلہ یہ دراصل ناسخ کے ایک دوغزلے کی دوسری غزل ہے جو تیسرے دیوان میں آئی ہے۔ اس دوغزلے کی پہلی غزل

"آج مے خوار و! فراقِ ساقیِ گلفام ہے"

اُن کے دوسرے دیوان (م ۲۶۷ تا ۲۶۸) میں شامل ہے۔

(۲۱۷) ؎ رشید حسن خاں نے ل ۳۱۶ میں م کے غلط نامے ص ۷ کی ہدایت کو ملحوظ نہ رکھ کر مصرع کی تصحیح نہیں کی ہے۔ ہم نے م کے غلط نامے کی ہدایت کی روشنی میں مصرع صحیح لکھا ہے۔ م ۳۲۸ کی یہ غزل ل ۱۸۷ میں بھی ہے اور ن سے بھی ہمارے درج کردہ مصرعے کی تائید ہوتی ہے۔ ل میں اس مصرعے کی یہ شکل محلِ نظر ہے: ؎

"خاک میں مل جائے ایسا ہی اکھاڑا چاہیے"

(۲۱۹) ؎ م ۳۳۴ میں کاتب نے "سب زمین نے ہیں نئی" لکھا ہے۔ ن سے تصحیح کی گئی ہے۔

(۲۲۶) ؎ م ۳۴۰ میں "ہے" حذف ہو گیا ہے۔ ن ۱۹۴ سے تصحیح کی گئی ہے۔

---:---